



* بھیرہ (پاکستان) *

[* * *]

بابت ماہ ذوی الحج و محرم الحرام ۱۳۷۷ھ

مطابق ماہ جولائی و اگست ۱۹۵۸ء

مرتبہ سید سیاح الدین کاکاخیل

تحت ادارہ

غلام حسین } اے حزب الانصار بھیرہ
مدرسہ مسؤل } مولانا الحاج انتغار احمد بکوی } لین روہہ
(پاکستان) } سالانہ چنڈہ

بیادگار عظیم ملت حضرت مولانا ظہور احمد صاحب بگوی نور اللہ مرقدہ

زیر ہدایت مولانا افتخار صاحب بگوی امیر حزب الانصار بھیرہ (پنجاب)

پنجاب

سالانہ چندہ

عوام سے

۳/- روپے

طلبیت سے ۲/۸/-

سالانہ چندہ

مناوین سے

۵/- روپے

غیر مالک سے ۴/- روپے

حزب الانصار بھیرہ

اللہ کے دین کے مددگاروں کا گروہ

غرض و مقاصد :- اندرونی و بیرونی مصلحتوں سے اسلام کا تحفظ و اشاعت اسلام (۲) اصلاح رسوم و عادات شرعیہ اسلامیہ، احیاء و اشاعت علوم و دینیہ۔

طریق کار :- (۱) جریدہ شمس الاسلام کا اجراء (۲) دارالعلوم عزیز یہ جامع مسجد بھیرہ جو اپنے مختلف شعبوں کے ذریعہ اسلام کی بہترین خدمت سر انجام دے رہا ہے (۳) مبلغین کے ذریعہ ملک کے طول و عرض میں اسلامی زندگی پیدا کی جا رہی ہے۔ (۴) عظیم الشان سالانہ کانفرنس (۵) امیر حزب الانصار کا مبلغین کے ہمراہ سالانہ تبلیغی دورہ (۶) کتب خانہ (۷) جامع مسجد بھیرہ کی مرمت۔

جریدہ کے قواعد و ضوابط :- (۱) جریدہ ہر ماہ انگریزی کی پانچ تاریخ کو پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ہفتائین ہر ماہ (۲) سالانہ سے ۱۲ روپیہ تقریباً ۱۲ روپیہ تقریباً۔ نمونہ کار پر چار آنے کے ٹکٹ موصول ہونے پر بھیجا جاتا ہے۔ (۳) رسالہ باقاعدہ

جاچ پڑتال کے بعد حوالہ ڈاک کیا جاتا ہے۔ بعض رسائل راستہ میں تلف ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں خریدار کی طرف سے ہر ماہ کی ۵ روپے تاریخ تک اطلاع موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ بھیجا جاتا ہے۔ اطلاع نہ ملنے کی صورت میں دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔ دہی جواب کے لئے جوابی

کارڈ یا ٹکٹ آنے چاہئیں۔ (۴) ہندوستان والے چندہ حاجی عبدالمجید صاحب کیشن ایجنٹ ۵۱ نوایہ مسجد ٹریٹ بی (ہندوستان) کو بذریعہ آئرن ڈور سال کریں۔

جلد خط و کتابت و ترکیل زینہ نام غلام حسین ایدہ سیر و منیر شمس الاسلام بھیرہ (پنجاب) ہونی چاہئے۔

دائرہ میں سرگزشت سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کار سالہ بذریعہ وی پی اے سال ہر ماہ جس کے زائد اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ آئرن ڈور بھیجیں۔ خریداری منسلو نہ ہو

تو اطلاع دیں۔ خدارہ وی پی واپس کو کے ایک اسلامی ادارہ کو نقصان پہنچائیں۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نہ ہو کا حوالہ ضرور دیں۔ غلام حسین منیر رسول

ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ

مرتبہ: سید سیاح الدین کاکا خیل

جلد ۲۹ فی الحجہ و محرم الحرام ۱۳۷۸ھ مطابق جولائی اگست ۱۹۵۸ء شمارہ ۳

فہرست مضامین

صفحہ	صاحب مضمون	مضمون	نمبر شمار
۵	ادارہ	شذرات انقلاب عراق	۱
۶	"	شمیہ سنی اتحاد	
۷	"	محمہ بازی کی لعنت	
۱۰	انیس ابن یسح بنارس	بلندیوں کی بلندی پر ہے قیام حسینؑ (نظم)	۲
۱۱	عبد القادر عودہ شہید	اسلام اور سمارا قانونی نظام	۳
۱۶	مولانا امین احسن اصلاحی	اسلامی ریاست، اسلامی معاشرہ اور اسلامی قومیت	۴
	مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب رزہ بلدی دارالعلوم	ایمان و امان	۵
۲۱	ندوۃ العلماء لکھنؤ		
۲۴	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی	عصر حاضر کا بنیادی مسئلہ	۶
۳۱	ماخوذ	عراق تاہیخ کے آئینے میں	۷
۳۴	"	معاہدہ بغداد	۸
۳۶	مولانا عبد الباقی ندوی لکھنؤ سابق اتناؤ جامعہ عثمانیہ دکن	تصوف کی حقیقت	۹

جہاں تک حسینؑ کی طرف سے شہادت کی بات ہے، یہ سب سے پہلے یہ ہے کہ وہ ایک عظیم الشان شخصیت تھے جس نے اسلام کو دنیا بھر میں پھیلانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

عربی مدارس کی اہمیت

ہمارے ملک میں یہ چھوٹے بڑے عربی مدارس ہی دین کے وہ محفوظ قلعے ہیں۔ جہاں دین کی مدافعت کرنے والے سپاہی دین کی علمی اور عملی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ انہی بہ ظاہر غیر واقعی درس گاہوں کی برکت سے ہمارے اس ملک میں اسلام کا جھنڈا سر بلند ہے۔ مسجدیں آباد ہیں، اذان کی صدائیں گونجتی ہیں۔ اور قال اللہ اور قال الرسول کا چرچا ہو رہا ہے۔ انہی مدارس میں پڑھنے والے چھٹے پرانے لباس میں ملبوس طالب العلم ہی یہاں پڑھ کر اس قابل بنتے ہیں۔ کہ صرف مسجدوں میں نماز کی امامت نہیں بلکہ ہر میدان میں قوم کی امامت پیشوائی کا منصب نبھال سکتے ہیں۔ ان مدارس کو باقی رکھنا نہیں بلکہ ان کی ترقی و توسیع میں مزید کوششیں کرنا اہم دینی فریضہ ہے۔ اور اسی سے ملک و قوم کی حقیقی ترقی وابستہ ہے انہی عربی مدارس میں سے ایک عربی مدرسہ جو عرصہ دراز سے قائم ہے۔ اور جس نے آج تک دینی تعلیم کی اشاعت و ترویج کی بہت بڑی خدمت سر انجام دی ہے۔ اور جو آج بھی اپنی روایات کو زندہ رکھنا چاہتا ہے وہ

دارالعلوم عزیزیہ واقع جامع مسجد بھیرہ

ہے۔ اور آپ کا یہ دینی فرض ہے۔ کہ اس مدرسہ کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے اور اس علمی یادگار کو باقی رکھنے کیلئے اس کی امداد و اعانت فرمائیں۔ اس مدرسہ کا تمام نظام اہل خیر مسلمانوں کی مالی امداد سے چل رہا ہے۔ امید ہے کہ ہماری اس درخواست پر بخیر حضرات توجہ فرما کر دستِ تبادون دراز کریں گے۔ تمام امدادی رقمیں ہر مہتمم مدرسہ عزیزیہ واقع جانا مسجد بھیرہ کے نام پر بھیجنا ضروری ہے۔

عاجز افتخار احمد گویا کانٹلہ، مہتمم مدرسہ عزیزیہ جامع مسجد بھیرہ

شذرات

سوال یہ ہے کہ امریکہ اور روس کس انقلاب کے کیوں دلچسپی ہے؟ کیا اس لئے تو نہیں کہ یہ دو بلاکوں کا جھگڑا ہے۔ اور مسلم ممالک کو قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ تو اس بات سے خوش ہیں کہ یہ انقلاب مغربی طاقتوں کے لئے ایک چیلنج ہے۔ اور اس نے برطانیہ اور امریکہ کی سیاست کو شکست دے دی ہے۔ کچھ لوگ اس بات پر مطمئن ہیں کہ مشرق میں روس کی پالیسی کامیاب ہو رہی ہے۔ اور اس کی سیاست نے مشرق وسطیٰ سے مغربی اقتدار کی بنیادیں اکھاڑ پھینکی ہیں۔ جن لوگوں کی نظر روس پر نہیں جاتی۔ ان کے نزدیک عراق کا انقلاب مغربی طاقتوں کے مقابلہ میں جمال عبدالناصر کی فتح ہے۔

خونِ مسلم کی ازرائی لیکن اگر غور کی دیر کے لئے امریکہ برطانیہ، روس اور صدر ناصر کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو ہمیں یہ چیز نظر آتی ہے کہ مسلمان مسلمانوں کے مابین مارے جا رہے ہیں۔ اور قبلِ مسلم کا ارتکاب کر نیوالے دیے ہیں۔ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ پالیسی خواہ روس کی چلے۔ یا امریکہ کی اور شکست خواہ مغربی طاقتوں کی ہو یا ان کے چٹھوؤں کی، مرنے اور مارنے والے مسلمان ہیں۔ تباہ ہونے والے مسلمان ہیں۔ پالیسی دوسروں کی چل رہی ہے۔ اور تباہی مسلمانوں پر آرہی ہے۔ سب تباہ دیکھ رہے ہیں۔ بیان پر بیان نکل رہے ہیں۔ کوئی مصالحت کی پیش کش کر رہا ہے کوئی۔ بھولنے کا زور ادا کرنا چاہتا ہے۔ مگر جلتے سب ہیں کہ خون صرف مسلمانوں کا بہہ رہا ہے۔ سب اپنی اپنی بولی بولتے رہیں گے کیونکہ ان کا تو کچھ نہیں مگر اُٹارنے والے تو مسلمان ہی ہیں اور مرنے والے تو مسلمان ہی مریں گے۔ یہ سیاسی مغل تسلیاں ہیں کہ مغلان طاقت کی ڈیپلومیسی نام کام ہوئی۔ اور مغلان کی کامیاب رہی۔ اس بات

انقلابِ عراق عراق میں جو انقلاب ہوا اس کے بارے میں طویل تبصرہ کی ضرورت ہے۔ اور چاہئے کہ اس کے سارے گوشے اچھی طرح واضح کر کے پیش کئے جائیں مگر جمعیت علمائے ہند کے مقرر جلیلہ انجمیتہ نے سڑے ایڈیشن میں مختصر طور سے جو تبصرہ کیا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک صحیح تجزیہ و تحلیل ہے۔ اس نے ہی مناسب معلوم ہوا۔ کہ خود کچھ لکھنے کی بجائے اپنی شذرات کو مستعار لے کر تاریخی کلام کی خدمت میں پیش کر دیا جائے کیونکہ ان میں خود ہمارے جذبات احساسات کی پوری پوری ترجمانی کی گئی ہے۔ اور یہ جس اتفاق ہے کہ جو کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں دیکھ کچھ انہوں نے اچھے انداز میں لکھا ہے۔ اس میں کچھ اجمالی اشارات رہا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اخبارات کا مطالعہ کرتے اور سیاسی معلومات رکھتے ہیں اور جنہوں نے مختلف لیڈروں کے بیانات پڑھے اور سنے ہیں وہ ان اشارات کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔

شاہیت کا خاتمہ جہان تک موجودہ انقلاب کا باتیں تسلیم کر لینی چاہئیں۔ اول یہ کہ مشرق وسطیٰ سے طوکیٹ اور شاہیت کا سد ختم ہونا چاہئے۔ ہم نہیں جانتے کہ جبریت کیا بلا ہے صرف اتنا جانتے ہیں کہ شاہیت مذہبی نقطہ نظر سے قطعی غیر اسلامی ہے۔ دوسرے یہ کہ مشرق وسطیٰ سے مغربی ممالک کا اثر و نفوذ ختم ہونا چاہئے۔ یہ برطانیہ جو صدیوں سے عربوں کا خون چوس رہا ہے اس کا خاتمہ ضروری ہے، سوم یہ کہ عراق کا یہ انقلاب برطانیہ اور امریکہ کے سیاسی اغراض کا رد عمل ہے۔ اس کی داغ بیل بہت پہلے پڑ چکی تھی۔ صرف لیڈر شپ کی ضرورت تھی جسے صدر ناصر کی ذات نے پیدا کر دیا۔ مگر ہمیں اس انقلاب کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے بھی دیکھنا چاہئے

کا دیکھنے والا کوئی نہیں کہ تریانی کا کبریا کو بننا اور دو بلا کوں کی چکی میں کوں پسا۔ بڑے سے بڑا متقی جب اس انقلاب کو سیاسی عینک لگا کر دیکھتا ہے تو اسے خونِ مسلم کی ارضانی پردہ برابر تاسف نہیں ہوتا وہ تو صرف یہ دیکھتا ہے کہ ایک خاص نظریہ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

اس حقیقت کے اظہار و بیان میں کوئی **شیعہ سنی اتحاد** باک نہیں کہ ہم اپنی سنت و الجماعت ہیں۔ اور نظریہ و اعتقاد اور مسلک کے اعتبار سے ہمارا تعلق سنت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کرام کے ساتھ ہے۔ شیعہ فرقہ کے ساتھ ہمارا بنیادی اور اصولی اختلاف ہے۔ اور ان کا نظریہ و اعتقاد اور دینی بنیاد ہم سے بالکل مختلف ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمیشہ یہ ہماری قلبی خواہش رہی ہے کہ مسلک کے اس بن اختلاف کے باوجود پاکستان میں شیعہ سنی مناقشہ اور جھگڑا نہیں ہونا چاہئے۔ اور دونوں گروہوں کا آپس میں تصادم، منافرت، قتل و قتالی اور ہاتھ پائی عجوبی طور پر ہمارے ملک کے لئے ایک نہایت مضر و تباہ کن صورت حال ہے۔ ہم کسی گروہی عصبيت کی بنا پر نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے خلاف بات زبان سے نکلنے سے بچائے رکھے۔ ہم تو یہ انصاف کی بات کہتے ہیں کہ اس بارے میں سنی تو اکثر رواداری اور وسعتِ قلب سے کام لیتے ہیں۔ لیکن اب تک یہ نفوس ناک صورت حال رہی کہ شیعہ بھائی مختلف اسباب و وجوہات کی بنا پر حدود سے تجاوز کرتے اور خواہ مخواہ اشتعال کی صورتیں پیدا کر کے فضا کو مگدڑ کرتے رہے ہیں۔ ان کے ذمہ دار اور غیر ذمہ دار لیڈر، مذہبی رہنما، عام ذاکرین و واعظین رسائی و اخبارات سب کے سب غیر ذمہ دارانہ حرکات کا ارتکاب کرتے رہے ہیں جن بزرگوں کو شیعہ حضرات امام اور پیشوا اور قابلِ احترام یقین کرتے ہیں ہم سنی بھی ان بزرگوں کا احترام کرتے اور ان کو اپنا پیشوا مانتے ہیں۔ اور ان کی محبت ہمارے ہاں بھی جزو ایمان ہے۔ اس لئے یہ تو کبھی ممکن ہی نہیں کہ کسی سنی کی زبان سے ان پاکیزہ نفوس کی شان میں کچھ گستاخانہ کلمات نکل سکیں۔ اور شیعوں کو اشتعال

دلانے اور بھڑکانے کی صورت بن سکے۔ لیکن جن مقدس حضرات کو ہم سرانگھول پر بٹھاتے ہیں۔ اور جن کے ساتھ تعلق و محبت ہمارے ہاں ایمان کا تقاضا ہے۔ اور جن کے ساتھ تعلق قائم رکھنے ہی پر ہمارے پورے دینی نظام کا دار و مدار ہے۔ ان کے متعلق بد قسمتی سے شیعوں کی جو رائے ہے وہ محض نہیں۔ اور پھر وہ حضرات اپنی اس رائے کو صرف اپنی ذات تک، یا اپنی نجی مجلسوں اور خاص جلسوں تک بھی محدود نہیں رکھتے۔ بلکہ کھلے جلسوں میں لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ اپنی اس رائے کا اظہار کچھ ایسے نامناسب اور اشتعال انگیز الفاظ میں کیا کرتے ہیں جن کو سننے کی تاب کسی مسلمان کو نہیں ہوتی۔ اور آخر کار پیمانہ صبر لبریز ہو جاتا ہے۔ کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے اور مالد بڑھتے بڑھتے امن و امان کی تباہی و بربادی تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ اس طرح فتنہ و فساد کی آگ ایک محلہ اور شہر کی آبادی سے بڑھتی ہوئی تمام ملک میں پھیل جاتی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد اس بات کی خاص ضرورت تھی کہ ان منافرت انگیز مشاغل کو چھوڑ دیا جائے اور ایسی تقریروں اور تحریروں سے پرہیز کیا جائے جن سے آپس کی منافرت و مناقشت کی خلیج وسیع ہوتی ہے۔ لیکن نہایت نفوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مختلف اسباب و وجوہات کی بنا پر یہ مشغلہ جاری رکھنے والوں نے اپنا یہ مشغلہ نہیں چھوڑا۔ متواتر ایسے حالات و واقعات پیش آئے جن کی بنا پر سنیوں کا احساسِ مظلومی شدید ہوا۔ اور صحیح یا غلط وہ یہ سمجھنے لگے کہ شاید یہ حدود سے تجاوز، اور بڑی بڑی جراتیں اس لئے ہونے لگی ہیں کہ سیاسی چکر چلنے کے نتیجہ میں اقتدار کی بڑی بڑی کرسیوں تک وہ لوگ پہنچے ہیں جن کا تعلق شیعہ فرقہ سے بھی ہے۔ اور ساتھ ہی وہ پختہ شیعہ بھی ہیں۔ اور جو سنی کلمتے ہیں۔ وہ صرف خاندانی سنی اور محض سنی رائے سنی ہیں۔ ان کو مسلک سے اور نظریات و عقائد سے کوئی سروکار نہیں۔ عام اہل سنت و الجماعت مسلمان اس ممالکِ اجمیت کو محسوس کرنے لگے اور ان کو مذہبی لحاظ سے اپنا مستقبل خطرناک نظر آیا۔ اور اس طرز پر سمجھنے لگے کہ اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوششیں شروع ہو چکی ہیں۔ اور سب سے بڑی اور

وہ آئندہ بھی اپنے ذاتی ملک اور پسند سے بالاتر ہو کر محض مسلمانوں کے مشترکہ مفاد کے نقطہ نگاہ سے سوچا کریں گے اور اُمنیوں کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دیں گے۔

اتحاد کی اس اپیل میں اہم نکتہ یہ ہے کہ کوئی فرقہ دُوسرے فرقہ کے رہنماؤں اور ممبر بزرگوں پر تقریر و تحریر میں کوئی حملہ نہ کرے اور نہ اُن کی شان میں گستاخانہ کلمات زبان سے نکلے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اسی بنیادی اصول پر عمل پابندی کی گئی۔ اور کراہی گئی۔ تو تمام مناقشات اور جھگڑے یکسر ختم ہوں گے۔ سنی تو بحمد اللہ اب تک اس پر خود کاربند ہیں۔ لیکن شیعہ حضرات میں سے بعض پیشہ ور قسّم کے لوگ خلفاء راشدین اور دُوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر رویک حملے کرتے رہے ہیں اگر اس کا انسداد ہو جائے تو پھر کوئی وجہ شکایت باقی نہ رہے گی۔ آج تک کس بھی شخص اس بنا پر فساد نہیں ہوا کہ فلاں شیعہ کیوں ہے سنی کیوں نہیں بلکہ اکثر فساد کا بات پر ہوتے ہیں کہ کسی شیعہ فاکر نے جہلوں میں یا جہلوں میں ایسی باتیں کہہ دیں جن سے ان بزرگوں کی صریحاً تدبیر و تحقیر ہوتی ہے اور اس پر کچھ سنی مشتعل ہو گئے اور پھر معاملہ کو دبائے کی بجائے سیرم کشوں نے اس آگ کو آند بھڑکایا اور آخر کار۔ اس دامن تباہ ہوا۔

الغرض ہم اپنی حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس اپیل میں تسلیم کردہ اصول کی پوری نگہبانی اور حفاظت کرے اور جو بھی اُس کے خلاف کوئی حرکت کرے اس کو پُختی سزا دی جائے۔ اور اگر یہ پابندی کی گئی تو شیعہ سنی جھگڑے مستقل طور سے مٹ جائیں گے۔ اور ملک کو امن و امان کی دولت نصیب ہو جائے گی۔

متممہ بازی کی لعنت عجائبات روزگار میں سب سے بڑا عجوبہ یہ امر واقعہ بھی ہے کہ

جو ملک جان، مال اور آبرو کی بہت بڑی قربانی کے بعد محض اس لئے عالم وجود میں لایا گیا تھا کہ وہاں کتاب سنت کے معارف کو رائج اور منکرات کو مٹا دیا جائے گا۔ اسی ملک میں پوری بے باکی اور لاٹپرائی

مفید تدبیر یہی سمجھی گئی کہ اس بیباکی چلو کہ پھر کچھ اس طرح چلایا جائے کہ صحیح سنی مسلمانوں کو ابھرنے کا، اور قوم کی نمائندگی کا موقع مل سکے۔ اور ہیں اس کی بڑی خوشحالی ہے کہ سنیوں نے اپنے احساس مفکومت کے بعد صورت حال کو درست کرنے کے لئے بالکل ایک آئینی اور ایجابی تدبیر سوچ لی۔ اور اس پر عمل پیرا ہونے کا عزم کیا۔ اور ہر تحریری طریقہ کار سے اپنے آپ کو ملک و قوم کی بھلائی کی خاطر بچائے رکھا۔

ہم اپنے صوبہ منرلی پاکستان کے وزیر اعلیٰ مظفر علی تڑپاش صاحب کی ذہانت و فطانت اور معاملہ شستگی کی داد دیتے ہیں۔ کہ انہوں نے تمام صورت حال کو دیکھا۔ اور حقیقت واقعہ کو سمجھ لیا۔ شیعہ سنی منافرت کے چرناچ بد ہو سکے ہیں اُن کو ابھی سے محسوس کیا اور ادا دہ کیا کہ اس جھگڑے کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے لاہور میں دونوں فرقوں کے مہتمماء اور رہنماؤں کو بلایا۔ ان سے اتحاد کی اپیل کی۔ اپنا مقصد واضح کیا۔ اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جب کسی ملک کے حکمران خلوص نیت کے ساتھ ایک کام کرنا چاہیں تو وہ بڑی آسانی کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جب ہمارے وزیر اعلیٰ نے اس میں دلچسپی لی اور اس کو اپنا مقصد بتایا تو پھر اس کی کامیابی بھی یقینی تھی چنانچہ چند اُصولی باتوں پر دونوں فرقوں کا اتفاق ہوا۔ اور حکومت نے ذمہ داری لی کہ وہ ان اصول کو عملی طور پر مولنے کے لئے اپنی حاکمانہ قوت استعمال کرے گی۔ سب نے اس مشترکہ اپیل پر جو شیعہ سنی اتحاد دیکھ کر متب کی گئی و تحفظ ثابت کئے۔ اور اخبارات میں وہ اپیل ان دستخطوں کے ساتھ نمایاں طور پر شائع ہوئی۔ بہر حال جب نفاذ ایسی بنیادی گئی حکومت نے اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ واقعہ شیعہ سنی جھگڑے نہیں ہونے چاہئیں۔ تو اس کا خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ اس دفعہ محرم بہ خیر و عافیت گزر گیا۔ اور پاکستان کے کسی شہر یا قصبہ میں کوئی فساد اور کوئی بد امنی اور خون ریزی نہ ہوئی۔ خدا کرے کہ یہ حالت امن و سکون ہمیشہ رہے۔ وزیر اعلیٰ نے اس دفعہ اتحاد کی یہ کوشش کر کے ملک کو فتنہ و فساد اور خون ریزی سے بچایا ہے ہم انہیں اس پر مبارکباد دیتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ

کے ساتھ کھلم کھلا معروفات کو توڑنا یا جابر ہے۔ لیکن شکرات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ اور یہ افسوسناک صورت حال زندگی کے کسی ایک شعبہ میں نہیں بلکہ ہر شعبہ حیات میں ہی نقشہ ادبی طریق کار نظر آ رہا ہے اس لئے نہ کسی تادیل و توجیہ کی گنجائش پائی جاتی ہے اور نہ حسن ظن سے کام لینے کا موقع باقی رکھا گیا ہے۔

نعم و میسر یعنی شراب اور جہاں قرآن و مجید کی صاف و صریح آیت کی رو سے سرجہ من عمل الشیطان ہے یعنی گندگی و ناپاکی ہے اور شیطان کا کام ہے۔ ان سے شیطان خوش ہوتا ہے، شیطان ان پر ابھارتا ہے اور ان سے ملک میں شیطنت پھیلتی ہے۔ اور اس لئے قانون اسلام میں ان دونوں کی حرمت بالکل قطعی ہے۔ یہ متفقہ طور سے منکرات و فحش میں شامل ہیں۔ اور ایک اسلامی مملکت کا یہ لازمی فریضہ ہے کہ وہ اپنے دائرہ اقتدار اختیار میں ان کی ہر شکل و صورت کو مٹائے۔ اور معاشرہ کہ ان برائیوں سے بالکل پاک رکھے۔ اب آپ خداوند تعالیٰ کیجئے کہ پاکستان میں اگر یہ ناپاکیاں موجود ہوں اور کتاب و سنت پر مبنی آئین و دستور کے تحت آئینی حکومت قائم ہو اور قرآن و سنت کے قانون کو نعم و میسر کے بارے میں پامال کیا جا رہا ہو تو کیا اسے ایک مجبور قرار نہیں دیا جائیگا؟ تضاد کی ایسی واضح مثال کیا حیران کن نہیں؟

شراب کی بحث کو فی الحال جانے دیجئے اس پر کبھی پھر بحث کی جائے گی۔ میسر (یعنی جوئے) کو بے لجنے۔ اس کی کتنی شکلیں آج ہمارے معاشرے میں قانونی حجاز کی سند حاصل کئے ہوئے جاری ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ کتاب و سنت کی صریح خلاف دوزی اور تائید خداوندی سے علی الاعلان بغاوت ہوتی ہے جو نہایت خطرناک صورت حال ہے بلکہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ جہاں بازی کی ان شکلوں سے حملے معاشرہ کی بربادی اور تباہی ہو رہی ہے۔ انہی کی وجہ سے اخلاقی حالت بھی روتہ نزل ہے۔ اور اقتصادی طور سے ہماری معیشت متاثر ہو رہی ہے۔ اور اس کے نتیجے میں ایک عالم پریشانی اور بے چینی نہایت بُری طرح پھیلتی جا رہی ہے۔

مثلاً انہی ستم بازی میسر کی ایک نمایاں صورت ہے خواہ اس کی ہزار تالیفیں کی جائیں۔ اور عقل عیار سو بھیں بدل کر اس کو اس دائرہ سے نکال کر کچھ اور بدلنے کی کوشش کرے لیکن حقیقت اپنی جگہ پر باقی رہے گی کہ یہ جوا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو لفظ میسر ذکر فرمایا گیا ہے اور مفسرین نے اس کی جو تفسیر تشریح کی ہے اور نزول قرآن مجید کے وقت میسر کی جو شکل عربوں میں رائج تھی۔ اس کو دیکھا جائے تو یقیناً ہی کہنا پڑیگا کہ میسر نام ہی اس چیز کا ہے جو آج کل انہی ستم بازی کی شکل میں جاری ہے واقعہ یہ ہے کہ ستم حل کرنا۔ تو محض ایک بہانہ ہے۔ اصل میں ہر شخص مثلاً ایک روپیہ جسے کراچی بدلتی یا خوش بختی کی بنیاد پر یہ اندیشہ یا تو قح رکھتا ہے کہ یا تو ایک روپیہ بھی چلا جائے گا اور یا ایک کے بدلے میں مثلاً دس ہزار مل جائیں گے۔ اور یہ دس ہزار بھی اسی جیسے مثلاً مزید ہزار قیمت آزادوں کی جیب سے نکل کر گئے ہوں گے جن میں سے ہر ایک ہار گیا اور محروم ہوا اور یہ ایک جیت گیا۔ اور جیت بھر چکا۔ قیام پاکستان کے بعد ستم بازی کا یہ جو نہایت شدت کے ساتھ پھیل گیا ہے۔ اور اب تو اس نے ایک وبائی مرض کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور ایسے بیکاروں نے جنہیں نہ حلال و حرام کی تفریق اور نہ وہ قوی اخلاق کو بگاڑنا کوئی جرم سمجھتے ہیں۔ اس کو کمائی کا ایک مستقل ذریعہ بنا لیا ہے۔ اور جن طرح "غیر مذہب دیہاتی قسم کے مجھے" میں جو قانوناً انگریزی دور میں بھی ناجائز تھا ہمارے اور جتنے قانون میں ایک درمیانی دلال ہوتا ہے جو جوا بازوں کے درمیان واسطہ بن کر اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی مہم بازی کی کپنی قائم کر کے دلالی کرتے ہیں۔ اور اپنا "حق الخدمت" وصول کرتے ہیں۔ اور نہ صرف یہ کہ "حق الخدمت" صحیح طور پر کچھ اصول کے مطابق لیتے ہیں اگرچہ یہ حرام بھی ہے۔ بلکہ اس بے ایمانی کے کام میں مزید بے ایمانی اور بددیانتی کر کے حرام و حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں دھوکہ اور فریب کی عجیب عجیب مثالیں روزانہ اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ ان فرض شکرات کا ایک لائحہ

سلسلہ جو دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اور غنڈہ زن کر کے والے جانتے ہیں کہ مستقبل میں اس کا انجام مجموعی طور پر قومی مفاد کے لئے نہایت مضر ہے۔ چنانچہ گذشتہ دنوں لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس نے آرچبیشپ نے ایک درخواست کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا ہے۔

”یہ مجھے صحت مند معاشرہ کے لئے سخت تباہ کن ہیں۔ زیادہ سے زیادہ امیر ہونے کی خواہش میں کلرکوں، افسروں، طلباء و تاجروں اور مزدوروں کا ایک بہت بڑا طبقہ اپنی کم ملی کے باوجود اپنے قیمتی وقت کا بیشتر حصہ معمول کو حل کرنے میں ضائع کرتا رہے۔ یہ اقدام ان کی زندگی کے امور اور کارکردگی میں بُری طرح حائل مہم ہے۔ یہ جو اکی ایک قسم ہے۔ اور ان معمول کے بڑے انعام پانے والے خود معمول کے منتقلین ہوتے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کوئی ایسا قانون بنا چاہئے جس کے تحت ایسے تمام معمول پر پابندی عائد کر دی جائے۔ کیونکہ اسلام اہل اجازت نہیں دیتا۔ ہمارے قانون دانوں کو ایسے قانون بنانے کے لئے ضرور کوئی دقت نکالنا چاہئے“

(کوئٹہ ۲۱ جون ۱۹۵۸ء)

یہ عبارت عالیہ کے ایک بیج کی ذمہ داری دے رہی ہے۔ کئی مولوی صاحب کا تجربہ نہیں کہ اسے دغدغہ اقلانہ سمجھا جائے اور طایفہ تنگ نظری کو کہے دقت بنانے کی کوشش کی جائے۔ کیا ایک ماہر قانون کے اس مشدہ کو بھی ٹھکرا دیا جائے گا کہ۔

”یہ جو اکی ایک قسم ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کوئی ایسا قانون بنا چاہئے جس کے تحت ایسے تمام معمول پر پابندی عائد کر دی جائے۔ کیونکہ اسلام اہل اجازت نہیں دیتا۔“

یہ واقعہ ہے کہ ہم بڑے افسوس اور رنج و ملال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اور قلب کو اذیت دیتی ہے کہ یہ قوم تو ہندو نے تو تجارت میں مہم بازی پر پابندی لگا دی اور وہاں کھلے بندوں یہ کاروبار نہیں کر سکتا۔ اور یہاں ہم مسلمان کھلے طور پر اس مہم بازی کی اجازت دے رہے ہیں۔ ہم خدا اور کاد واسطے کہ یہ ادب پر عرض کرتے ہیں کہ

”ہمارے مسلمان عیانون سازوں کو بھی ایسے قانون بنانے کے لئے ضرور کوئی دقت نکالنا چاہئے۔“

تاریخ شمس اسلام کی خدمت میں اظہارِ معذرت!

بعض انتہائی مجبوروں کی وجہ سے ۱۰ جولائی کا پرچہ بر وقت طبع نہ ہو سکا اس لئے آپ کی خدمت میں مقررہ تاریخ پر نہ پہنچ سکا۔ آپ نے انتظار کی جو رحمت برداشت کی اسی کا ہمیں شدید احساس ہے۔ نچوئی تلیفیر کی وجہ سے ۱۰ جولائی کو ہاگت کا یہ مشترکہ پرچہ زائد صفحات کا آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہے۔ محرم الحرام کے سلسلہ میں بعض اہم مضامین تیار کئے گئے تھے مگر جب عاشورائے قبل رسالہ کے طبع مرحلے کی توقع نہ رہی تو ان شدائد اور بعض اس نوعیت کے مضامین کو بھی اس شمارہ سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ اب ان کی اشاعت بعد از وقت تھی اور ان کی بجائے دوسرے مضامین کی کتابت کرائی گئی۔

انشاء اللہ تعالیٰ سب پرچہ آپ کے پاس مقررہ تاریخ پر پہنچ جائے گا۔ اور ان کی تلافی بھی کر دی جائے گی۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اس دفعہ کی تاخیر کو جائے کہ مفراتہ اہم مقررہ تاریخ میں صاف فرمائیں گے اور دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے معائنات و مولات و قدر فرما کر ہم کو ان کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ شمس اسلام

”بلندیوں کی بلندی پر ہے قیام حسینؑ“

(انیس ابن مسیح بنارس)

زباں پر کیا ہے جب جب بھی پاک نام حسینؑ کیا ہے دل نے عقیدت سے احترام حسینؑ
مقام رفعتِ امیشا رہے مقام حسینؑ

چلے ہیں جب شد اسلام کر بلا کی طرف نگاہ جانب منزل حق دل خدا کی طرف
کشاں تھا جادۂ تسلیم دعا کی طرف

جُلا دیا تھا خدا کو بھی خود پرستوں نے بگاڑا اپنا مقتدر سیاہ مستوں نے
سُنی نہ ایک بھی حضرت کی تیرہ بختوں نے

کلام رحمتِ عالم ہی تھا کلام حسینؑ ہر اک رفیق بھی اور خود بھی بے رُسا ماں
دُعا دین محمدؐ پہ ہو گئے قُرباں
دُعا و غم میں بھی اُترا نہ نشہ ایساں

رضا و صبر کی صہبائے پُر تھا جام حسینؑ انہیں کو حق و صداقت کا بار اُٹھانا تھا
انہیں پہ نخبِ باطل کو ٹوٹ جانا تھا
انہیں کو دیں کی حفاظت میں کام آنا تھا

بلا کش غمِ اُمت بھی صبح و شام حسینؑ وقارِ عظمتِ انساں کی جھٹکے لئے
ریاضِ دینِ محمدؐ کے رنگِ دُکھ کے لئے
بقا و ملت و ملت کی آبرو کے لئے

اسی عظیم شہادت میں ہے پیام حسینؑ کتابِ زلیات کا ہر باب اُن کا حلقہ بگوش
مری حیات کا ہر انقلاب حلقہ بگوش
مرا خیال مرا خواب ان کا حلقہ بگوش !

انیس غزبے محمدؐ کو کہ ہوں غلام حسینؑ

اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(از عبدالقادر عودہ شہید)

(پہلے سلسلہ شدہ)

تعلیم دین کا فقدان

ریاست مصر کا دین اسلام ہے اور اسی مصر میں انگریز فرانسسی

اور اطالوی میسنریوں کو اذن عام ہے کہ وہ اس ملک میں تبلیغی مراکز قائم کریں۔ اور مسلمان بچوں کو اپنے دین بنیائیں لیکن سرکاری مدارس میں دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے انہیں روشناس نہیں کرایا جاتا۔ لیکن یورپ کے ممالک کی تاریخ پورے اہتمام سے طلباء کو پڑھائی جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد کلمہ شہادت، اقامت عداۃ، اتیان زکوٰۃ، صوم رمضان اور حج بیت اللہ پر رکھی گئی ہے۔ کیا ہماری حکومت کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ اسلام کی ان بنیادوں کو مستحکم کرنا اس پر واجب ہے۔

کتاب اللہ میں وارد ہے۔
فَلَوْلَا نَفْعُ مِنِّي خَلْقٍ مِّنْكُمْ كَيُؤَدِّعَ اللَّهُ بِهِ نِفْلًا لِّمَن يَّشَاءُ
طَائِفَةٌ يَتَّبِعُكُم مِّنَ الْاَنۡفِثَةِ يَخۡبِئُ لَكُمُ الْاَسۡلِحَۃَ وَكُمُ الْمُنۡفِئَةُ مِّنَ الْاَنۡفِثَةِ
وَلِيُدۡخِلَ فِيكُمُ الْاَوۡلَادَ الَّذِیۡنَ اٰتٰوۡهُمُ الْاَلۡفَ لَیۡسَ لَہُمۡ اَلۡفٌ شَیۡءٌ وَلٰكِنۡ شَیۡءٌ سَآدِدٌ مِّنۡ دُونِ الَّذِیۡنَ رَکَعُوۡا
رُکُوعًا اٰمِنًا (التوبہ: ۱۲۲) ان کی طرف۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَن يُرِدِ اللّٰہَ یُخَیِّرْ اٰیۃً مِّنْہٗ
فِی الدِّیۡنِ مَعَ اللّٰہِ تَعَالٰی
افضل من فقہ فی الدین و اعلمہ دین کی۔ اس عبادت کی جاتی اللہ
واحداً اللہ علی الشیطان من کی گنتی سے جو افضل ہو دین کی کج
الف عابد ولکل شیء سادہ سے دین کی کج رکھنے والا ایک شخص

عماد ہذا الدین العتق

نیز وہ جاری ہو تاکہ مشیطان پر مشرک
بجائے۔ ہر شخص کا ایک حق ہو تاکہ
اور اس دین کا۔ تو ہمارے ملک کا
خیر و سکھ ہو۔ تمہارا مہربان ہے ہمارے ملک کا
العبادۃ العتقہ
اسان پر اور ہمارے ایک عبادت کی
کی سمجھ دیجئے۔

واعیان اسلام کی منزلت

ایسی مصر کی اسلامی
حکومت ہر شخص کو
کے خلاف محاذ قائم کر لیتی ہے جو صحیح اسلام کی طرف لوگوں کو
دعوت دے۔ اور وہ لوگوں کی خدمات آمیز اور گمراہ کن کارروائیوں
سے روکتا ہے۔ یہ حکومت اپنے فاسقانہ قوانین کو ایسے لوگوں کے
خلاف حرکت میں لاتی ہے ان کی زبان بندی و قلم بندی کرتی ہے۔
اور انہیں جیلوں میں ڈال دیتی ہے کہ ان کے اقامت کے عذاب کا نشانہ
بناتی ہے۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے کہ یہ لوگ اپنے اسلام میں غفلت
ہیں اور یہ ٹھنڈے دل سے اس حدت حال کو گوارا نہیں کر سکتے۔ کہ
کوئی مسلمان غیر اسلامی حرکات کا مرتکب ہو گیا اس حکومت کو معلوم
نہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عنر المنکر مسلم پر از روئے اسلام واجب ہے
اور منکر کو حسب استطاعت شناہر مسلمان پر فرض ہے۔ اللہ جل شانہ
کا ارشاد ہے
وَلَتَكُونَنَّ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوۡنَ اِلَیۡہِمْ اِلَی الْحَیۡرِ وَیَأْمُرُوۡنَ بِالْعَفۡفِ اَمۡتَ جَہِلۡہِمْ
اُمۡتِ جَہِلۡہِمْ

کی ترغیبات دیتے تھے۔ کہ ان کے اندر انصاف کا جذبہ پیدا ہو کر
خدیجی انہیں علم سے باز نہ رہے پر مجبور کر دیا۔ اس خوش فہمی کے باوجود
میں جو کم سے کم بات کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے۔ کہ میرا مرادہ لوجی پر
مبنی ہے۔ اور اس غلط خیالی میں کسی جتنا درست ہے جو تاریخ اور فطرت
انسانی سے بالکل نا آشنا ہے۔ اگر غاصب کے اندر عدل و انصاف کا کچھ
بھی احساس ہوتا تو دنیا استعمار استبداد اور انتداب کی مختلف صورتیں
سے بالکل نا آشنا ہوتی جسٹلی آزادی کے بارے میں مصری حکومت کا
یہ رویہ عقل و فطرت ہی کے خلاف نہیں تھا۔ بلکہ اسلامی تعلیمات کے
بھی قطعی خلاف تھا۔ اگر ہمارے حکمران فطرت سلیمہ اور دین اسلام
سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ تو راہ حق ان پر منکشف
ہو جاتی۔ اور انہیں معلوم ہو جاتا کہ جہاد باسیت ہی آزادی حاصل کرنے
کا واحد ذریعہ ہے عقل و فطرت کے تقاضوں کا احکام اسلام کے
مطابق ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ کیونکہ اسلام کے بارے میں
قرآن کا ارشاد ہے۔ کہ فِطْرَةَ الْاِنْسَانِ عَلَیْهَا (یہ
اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے) اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے دین فطرت کا نام دیا ہے۔

اسلام میں دولت گوارا نہیں | اسلام کبھی اسے پسند نہیں کرتا
کہ مسلمان دہک رہیں۔

ایک مسلمان نرمی اور عاجزی صورت اپنے مسلمان بھائی کے بالمقابل ہی
اختیار کر سکتا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کے لئے وہ نرم چارہ نہیں ہے۔

اَذَلِّیْ عَلَی الْفُؤُوسِیْنَ
اَعِزِّیْ عَلَی الْکَافِرِیْنَ

(المائدہ)

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ
مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهُ

ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر
الْکَافِرِیْنَ کَاۡرِبِیْنَهُمْ

(النقی)

یہ ہوتا کہ انگریز ۱۸۸۲ء میں خدیو مصر کی حمایت اور رعایا سے
اسے بچانے کے لئے مصر میں آگئے۔ اس سے پہلے انگریز بارہا مصر
میں داخل ہونے کی کوشش کرتے رہے۔ لیکن انہیں کبھی کامیابی نصیب
نہیں ہوئی۔ میرا مرادہ فرانس کی جنگ کے بعد انگریزوں نے دو مرتبہ
مصر میں قدم چلانے کی سعی کی۔ لیکن دونوں مرتبہ انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا
پڑا۔ محمد علی پاشا کے زمانے میں انہوں نے ایک مرتبہ مصر میں در
آنے کی کوشش کی۔ لیکن ہم نے انہیں دھچک کر سمندر کی جانب پھینک
دیا۔ چنانچہ وہ تھاراد اور رسوا ہو کر اپنے گھر کی طرف لوٹ گئے۔ اور
اس بات سے قطعاً مایوس ہو گئے۔ کہ وہ طاقت کے بل پر کبھی مصر
میں داخل ہو سکیں۔ اس کے بعد انہوں نے دوبارہ ای اور مکرو فریب سے
کام لینا شروع کیا۔ اور سازشوں کا جال بچھا کر موقع کا انتظار کرنے
لگے۔ آخر کار ہنگامہ عربیہ نمودار ہوا۔ انگریزوں نے خود اس کے لئے
فضا کو سازگار بنایا۔ اور اس کے شراروں کا اس حد تک ہوا دی کہ
آگ کے شعلے پوری طرح بھڑک اٹھے۔ انگریز دوبارہ قیام امن کا
دعویٰ لے کر مصر میں آدھکے۔ لیکن ان کا اصل ارادہ یہ تھا۔ کہ مصر
پر تسلط جائیں۔ اور اس کی گردن پر سوار ہو کر ہمیشہ کے لئے بیٹھ
جائیں۔ انہوں نے بیسیوں مرتبہ یہ اعلان کیا۔ کہ مصر میں ان کا قیام
عاجزی ہے۔ اور بہت جلد اسے خالی کر دیں گے۔ لیکن انہوں نے ہمیشہ
کذب بیانی اور وعدہ خلافی سے کام لیا۔ یہ لوگ مصر میں بیٹھ کر مصر کو
ٹوٹتے رہے۔ مصر میں کا خون چڑھتے رہے۔ اور اپنی ملک کی عزت و
آبرو سے کھینچتے رہے۔

جب ان بھری قزاقوں کے ارادے بالکل آشکار ہو گئے تو
پہلی قوم ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ اصابتا کے مصر نے انگریزوں
کو نکال دیا۔ اور انہیں کربلا کے لئے بھیج دیا۔ اور انہیں فرانس نے اس
نصیب امین کے لئے قوم کی رہنمائی کا اعلان کیا۔ لیکن ان حکمرانوں نے
حصولی آزادی کے لئے منت سماجت عجز و نیاز اور جھک مٹکوں کا سا
انڈا اختیار کیا۔ انہوں نے حقوق غصب کرنے والوں سے اس بات

برداشت کریں۔ ضروری ہے کہ طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے۔ تدارک کا مقابلہ تدارک سے کیا جائے۔ حتیٰ کہ ہمارے غصہ پر وہ حقوق ہیں واپس مل جائیں۔ ہمارے دشمن ناکام و نامراد ہو کر رہ جائیں۔ اور ہمارے ممالک میں اقتدار خالص اسلام اور مسلمانوں کے قبضے میں آجائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

الشہر الحرام یا الشہر ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام ہے
الحرام والحدود قصاص اور حرمتوں میں بدلہ ہے۔ پس جو
قَمِنَ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا کوئی زیادتی کرے تم پر تم زیادتی
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ کرو اس پر اتنی جتنی زیادتی کی ہے
(البقرہ: ۱۹۴) اس نے تم پر
جَزَاءً مِثْلَ مَا عَصَاكُمْ مِثْلًا برائی کا بدلہ برائی ہے اتنی ہی

ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

● حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دوسروں کے متعلق بدگمانی سے بچو۔ کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ تم کسی کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح راز و دانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو۔ اور نہ ایک دوسرے پر بڑھنے کی بے جا ہوس کرو۔ نہ آپس میں حسد کرو۔ نہ بغض دیکھو۔ نہ گھبرائو۔ نہ ایک دوسرے سے مہم پھرو۔ بلکہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو (بخاری شریف و مسلم شریف)

● حضرت ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا تم حد کے مرض سے بہت بچو۔ حد آدمی کی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ہر کھجور کو کھا جاتی ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی)

لَا يَسْطِيعُونَ جِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا فَأُولَٰئِكَ رَكِبُوا رُوحًا عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَخْفُو عَنْهُمْ وَهُوَ غَيْرُ غَافٍ عَنِ اللَّهِ عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَغْفُوَ عَنْهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشتے ہوگا۔ (النساء: ۹۷)

واللہ اعلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

انا بری من کل مسلم یقیم میں بری الذمہ ہوں ہر اس مسلم
بین اظہر المشرکین قبیل سے جو مشرکین کے اندر مقیم ہے
یا رسول اللہ ولیم؟ قال عفی کیا یا رسول اللہ کس لئے
لا تترکنا نارہما آپ نے فرمایا کہ ان کے چرچے

آمنے سامنے نہیں ہو سکتے۔ یعنی

ان کی معاشرت اللہ سے نہیں

بالکل الگ ہونا چاہئے۔

من جازع المشرك وسكن جن شخص کی آمد و رفت اور

معہ فہو مشرک سکونت مشرک کے ساتھ رہی

وہ اسی کی مانند ہے

لا تنقطع الحجۃ حتی تنقطع ہجرت ختم نہیں ہوگی جب تک

الموتۃ، ولا تنقطع التوبۃ توبہ نہ ختم ہو۔ اور توبہ نہیں ختم

حتى تطلع الشمس فی مغربہا ہوگی جب تک سورج مغرب سے

نکلے۔

اسلام ظلم سے مصالحت نہیں کرتا | اسلام اس بات کی

اجازت ہرگز نہیں

دیتا کہ ظالم اور زیادتی کرنے والے کے مقابل میں نا محض رہا

جائے۔ اور برائی کے سامنے سر ہٹا دیا جائے۔ اسلام میں یہ نہیں

سکھاتا کہ ہم اقوام یورپ کے سامنے گھٹے ٹیک دیں۔ اور جو

مظالم وہ اسلامی ممالک پر ڈھاتے ہیں ہم ان سے ٹھٹھکے بیٹھیں

اسلامی ریاست

اسلامی معاشرہ اور اسلامی قومیت

(از مولانا امین احسن اعظمی)

(۲)

زبانِ ادب کی حیثیت | اسلام معاشرہ کی تشکیل میں زبان و ادب کے مرتبہ اور اس کی اجتماعی و سماجی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ لیکن اس کو بھی جو قومی نقطہ نظر سے دیکھنے کے بجائے اخلاقی میاںوں پر جانچ کر اس کے سلیم و سقیم اور غنیمت و طیب میں فرق کرتا ہے۔ یہ نہیں ہے۔ کہ قومی زبان اور قومی ادب کے نام سے رطب و یابس اور پاک و ناپاک کا جو انبار بھی اکٹھا کر دیا جائے وہ سب کا سب بلا کسی فرق و امتیاز کے یکساں عزت و احترام کے لائق قرار دیا جائے۔ اور اس پودے کی حفاظت و صیانت اسلامی سارے کی نفل و روایت ایک قومی فرض ہے سمجھ لیا جائے۔ حد یہ ہے کہ لاکھوں روپے و مہارتوں کے گیتوں اور ان کے قصوں کہانیوں کے چم کرنے، ان کو مرتب کرنے اور پھر ان کو لوگوں کے ذہنوں پہنچانے پر ضائع کر دینے جائیں۔ اسلام کا نقطہ نظر اس معاملے میں جیسا کہ عرض کیا گیا بالکل عقل و اخلاق ہے جو صرف اسی کو ادب قرار دیتا ہے جو صحیح منہ سے نکلا ہو اور جو ذہنوں کو صحیح غذا دینے والا اور طبیعتوں کو صحیح طرح چلانے والا ہو۔ اگر بعض ادبی و قومی نقطہ نگاہ سے اسی معاملے کو دیکھا جائے۔ تو امانت اور شوق کے ادب کو ادب میں جگہ دینے کے بجائے عیب کی طرح چھپا کر رکھے گا۔

کو بعض قومی نقطہ نگاہ سے دیکھتے تو اس کو اشعر الشجر ادبی قرار دیتے لیکن آپ کا نقطہ نگاہ اخلاقی ہی تھا۔ اس وجہ سے آپ نے ایسے ایسے شاعر کے سارے ذخیرہ ادبی کو رد کر دیا جن میں نے عرب کے قومی ادب کو اگرچہ سب سے قیمتی سرمایہ سمجھا تھا لیکن ساتھ ہی بے حیائی اور نفاق میں بھی آپ اپنی مثال تھا۔ اس کے برعکس آپ نے دوسرے اسلامی شعاعوں کے کلام نئے انداز کی تحنیں فرمائی۔ زمانہ جاہلیت کے بعض شاعروں اور خطیبوں کے کلام کی بھی آپ نے تعریف فرمائی۔ بعض خطیبوں کے متعلق تو یہ تک ارشاد فرمایا کہ یہ حقیقت کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ لیکن حقیقت کو نہ پاسکے۔ حضرت عمر مشہور جاہلی شاعر زبیر کے کلام کو بہت پسند کرتے تھے۔ اور جو یہی تھی۔ کہ اس کے کلام میں امر و القیس کی سی رندی و موسیقی نہیں ہے۔ بلکہ نہایت گہری حکمت کی باتیں برتی ہیں۔ اور ایسی غیبی کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ میں اُترتی چلی جاتی ہیں۔ یہ باتیں اس امر کا نہایت واضح ثبوت ہیں۔ کہ اسلام میں قومیت کے ایک عامل کی حیثیت سے نبیانی و ادب کو ایک جگہ حاصل تو ہے۔ لیکن صرف پاکیزہ ادب کو حاصل ہے۔ ہر برزخ سوائے کو اسلام یہ جگہ نہیں دیتا۔

تہذیب اور روایات | اسلام قومیت کی تشکیل میں تہذیب اور روایات کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ لیکن جس طرح وہ زبان و ادب کو اخلاقی کسوٹی پر جانچ کر اس کے صالح عنصر کو اپنا نامہ انعام دے گا اور بد عنصر کو باطل قرار دے گا۔

امرو القیس کو عرب میں ایک قومی شاعر ہونے کے لحاظ سے اشرافِ مراد کا بلند مقام حاصل تھا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بائیس میں فرمایا کہ اشعر الشجر امرو القیس ہے صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تمام

بیچتا ہے۔ اور وہی چاہیے کہ ہذاں کا جو حصہ منکر ثابت ہو جائے اسے دوس
کا دور در در قیاس ہے۔ ہر جو معرفت ہوتا ہے اس کو فقہ کہتے ہیں۔ قرآن
کو پڑھتے تو آپ کے سامنے بار بار یہ بات آئے گی کہ غلام جلیل معرفت
کے مطالب کو دے اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اس میں اسے قومی دستور
اسلام کی نظر میں پیش کیا جاتا ہے جس کے سبب سے اسلام نے اس کی اس قدر
عزت برعطا کی کہ اس کو خود اپنا ایک حصہ بنالیا۔ جو کسی اس کے وجود پر
حالات یا تہذیب اور روایات میں جو باتیں اخلاق کے اصول کی بنیاد پر
یا حقیقت کے خلاف تھیں ان کو منکر قرار دے کر منکر دینا ساری طرح سزا
کے تاجی کی اشخاص میں سے لقمان اصلا کے فرزند کا نہایت لطف انداز
میں قرآن نے ذکر کیا ہے۔ بلکہ پوری قوم کے بڑھوں اور بوجھ لوگوں کے
سامنے ان کو ایک لائق باپ اور ایک لائق فرزند کی مثال کی حیثیت سے
پیش کیا ہے۔ ان کی حکایت نصیحتوں کا رتبہ تو اتنا بڑھا دیا ہے کہ سچی الہی
نمائ کی خود قرآن کا ایک حصہ بنا دیا ہے۔ یہ تعان عرب کے حکام میں
سے صرف ایک حکیم تھے۔ کوئی پیغمبر نہیں تھے۔ ان کے پیغمبر مرنے کا کوئی
ثبوت کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ اسی طرح قرآن نے خطہ مغربین
کا ذکر ایک عادل اور خدا ترس حکمران کی حیثیت سے کیا ہے۔ حالانکہ
وہ ایک غیر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ ان چیزوں کے ثابت ہونا ہے کہ
اسلام تہذیب اور روایات کو متعصبانہ نگاہ سے دیکھنے سے بچنے میں
پرستارہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کا خود اپنا ایک مہیا ہے۔ جس پر جانچ
کر وہ ایک چیز کو رد یا قبول کرتا ہے۔ اور یہ میرا حلقہ اور عقل ہے
نہ کہ قوی۔ قوی نقطہ نگاہ تو بلا اوقات ان مملکت میں رہتا تھا۔
جو جانتا ہے کہ اس تعصب کے اندر سے خون کو محض اس حال میں چھلکا لیدر
مان میں کے کیدمان کی اپنی قوم سے تھا۔ اگرچہ وہ نہایت متعصب اور ظالم
تھا۔ اہل حق کا علم و استعداد اس کے سبب اس کی پگھلی قدم درآب
الہی میں گر گیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ کو محض اس بنا پر روک دیں گے
کہ وہ لسنہ دوسری قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ وہ عدل و انصاف
کے پیکر تھے اور ان کے ہاتھوں مظلوموں کی نہایت مدد تھی۔

اسلام کی نظر میں وطن کی حیثیت

اسلام وطن کو بھی بڑی
اہمیت دیتا ہے۔ یہاں
تک کہ کوئی مسلمان اگر اپنے وطن کی حفاظت کی راہ میں مارا جائے۔ تو
اس کی موت شہادت کی موت ہے۔ لیکن وطن کی اس اہمیت کے باوجود اسلام
نے وطن کو بھی حق کے اصولوں کے تابع ہی رکھا ہے۔ اس کو حق سے بالاتر
نہیں قرار دیا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان کی اصلی قدر و قیمت اس کے ایک
عقلی و اخلاقی ہستی ہونے کی ہے۔ نہ کہ کسی خاص رقبہ زمین کے باشندہ ہونے
کی۔ اس وجہ سے وہ اس کے عقلی و اخلاقی مطالبات اور تقاضوں کو دور
تمام مطالبات اور علاقوں پر مقدم رکھتا ہے۔ اگر کسی مرحلے میں عقل و
اخلاق کے مطالبات اور وطن کے مطالبات میں تصادم واقع ہو جائے
تو اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ آدمی عقل و اخلاق کے مطالبات کا ساتھ دے
وطن کے مطالبات کو نظر انداز کر دے۔ اگر ایک سرزمین پر آدمی اپنے
اخلاقی و ایمانی تقاضوں کو پورا نہ کر سکتا ہو بلکہ وہ مجبور ہو جاتا ہو کہ وہ
جس نظر و حیات پر ایمان رکھتا ہے۔ اس سے دھت بردار ہو۔ جن اخلاقی
ضوابط کا پابند ہے ان کو نظر انداز کرے۔ اور جن حدود کی نگہداشت
وہ اپنے فرائض میں سمجھتا ہے ان کو توڑے تو اس سرزمین کے ساتھ محض
اس وجہ سے اس کا بندھے و ہانک دیاں سے اس کو پیٹ پانے کو روٹی
اور حق ڈھانکے کو پڑا میرے قریب انسانیت کی توہین ہے۔ ایک سچا
مسلمان ایسی حالت میں دوسری راہیں اختیار کر سکتا ہے یا تو اس کی اصلاح
کے لئے اپنا پورا زور لگائے اور اس کو اس کا قبلی بنائے۔ کہ اپنے دین و
ایمان کے ساتھ وہاں زندگی بسر کر سکے۔ اور اگر وہ یہ نہیں کر سکتا۔ تو
مجبور و سرپی راہ ہے کہ وہ اپنے دین و ایمان کو لے کر وہاں سے کسی ایسی
سرزمین کی طرف ہجرت کر جائے جہاں زندگی کے دوسرے عیش و آرام
نہ ہوں لیکن دین و ایمان کی راہی حاصل ہو۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا
تو عجب نہیں کہ وہ ایک مخالف ماحول میں ایمان کی نعمت سے ہی محروم
ہو جائے۔ قرآن مجید کی ایک آیت اس پر ملاحظہ ہو۔
جن لوگوں کو فرشتے اس حال میں موت دیتے ہیں۔ کہ وہ

پاک تسلیم نہیں کرتا۔ اس وجہ سے ان میں سے کسی کو بھی یہ درجہ نہیں دیتا کہ اس پر معاشرت اور تمدن کی بنیاد رکھ دی جائے۔ اداس کو ایک سیاسی نظام کے لئے اساس کار کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ان عوامل سے کسی عامل کو بھی اسلام میں یہ حیثیت حاصل نہیں ہے کہ وہ قومیت کی بنیاد بن سکے تو اس اسلام میں قومیت کی بنیاد ہے کیا چیز؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں قومیت کی بنیاد محمد اسلام ہے۔ جو شخص اسلام کو قبول کرتا ہے وہ اسلامی قومیت کا ایک جز بن جاتا ہے۔ جو شخص اسلام کو قبول نہیں کرتا وہ اسلامی قومیت کا جز نہیں بن سکتا۔ یہ حقیقت اگرچہ ایک بالکل واضح حقیقت ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن قومیت کے جدید نظریات اب دماغوں پر اس طرح مسلط ہو چکے ہیں کہ احد توادر خود مسلمان بھی اب اس بات میں شک کرنے لگے ہیں کہ اسلام میں قومیت کی اساس خود اسلام ہی ہے۔ جب تک کوئی شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کرے اس وقت تک اس کو اسلامی قومیت میں بحیثیت ایک شریک مساوی کے شامل ہونے کی سادت حاصل نہیں ہوتی۔ عرب قوم جس کو خدا کے اس آخری دین کے حامل اہل ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے پہلے تو یہ اس حقیقت کا اعلان کرنے والی بنی تھی کہ اسلام میں قومیت کی اساس اسلام کے اصول و عقائد ہیں نہ نسل یا زبان یا وطن یا اس طرح کی کوئی اور چیز۔ اسلام اپنے عقلی اور فطری اصولوں کے مساوی چیز کا بھی یہ درجہ تسلیم نہیں کرتا کہ وہ انسان ادا ان کے درمیان کسی فرق و اختلاف کی بنیاد بن سکے۔ لیکن اب اسی قوم کے اندر یہ تحریک اٹھ رہی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کو عربی قومیت کی بنیاد ہونا چاہئے۔ ان کے یہ کسی چیز کو بھی یہ اہمیت حاصل نہیں ہونی چاہئے کہ وہ عربی زبان بولنے والوں کے درمیان قومیت کا کوئی فرق پیدا کر سکے۔

یہ صورت حال تقاضا کر رہی ہے کہ ہم اصل حقیقت واضح کرنے کے لئے یہاں کچھ دلائل بھی پیش کریں۔ اور ہر دے سے کہ یہ دلیلیں نقلی اور عقلی دونوں طرح کی ہیں۔ تاکہ مسلمان بھی ان سے مطمئن ہو سکیں

(دارالکفر میں پڑے بسنے کے سبب سے) اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ ختمے ان سے چمکتے ہیں تم کس حال میں پڑے ہو۔ وہ کہتے ہیں ہم اپنے وطن میں بے بس اور مقہور تھے۔ فرشتے ان سے کہتے ہیں کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے دہی لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور تم بھاٹھا

ہے۔ (۲۷-۲۸)

مذہب اسلام مذہب کو قومیت کی تشکیل میں سب سے زیادہ موثر اور سب سے زیادہ قوی عامل مانا ہے۔ لیکن اگر مذہب کی بنیاد شریک پر جو قومی تعصبات کے تحت اس میں حتی و انفا کے نظری اصولوں کو بالکل سرخ کر دیا گیا ہو یا وہ حقیقی فرائض اور واقعی حقوق کی تعلیم دینے کے بجائے صرف عوام کی خواہشوں کا ایک مجموعہ بن کے رہ گیا ہو تو ایسے مذہب کو اسلام نہ تو صحیح مذہب مانا اور نہ اس طرح کے کسی مذہب پر قائم رہنے والی قومیت کو صحیح قومیت تسلیم کرتا ہے۔ اسی طرح کے مذہب میں وہ سارے مفاسد موجود ہوتے ہیں جو نسل و نسب اور زبان اور رنگ سے بنی ہوئی قومیتوں کے اندر ہم ادھر بیان کر آئے ہیں۔ دنیا کے مشرکانہ مذاہب کا اگر تجزیہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایجاد ہی اسی لئے کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے پیروں کے قومی تعصبات ادا ان کی قومی انگلیں کو اشریاد دیں۔ یہودی مذہب اگرچہ اپنی اصل کے لحاظ سے مشرکانہ مذہب نہیں ہے۔ بلکہ ایک آسمانی مذہب ہے لیکن یہ اسرائیلی نے جیسا کہ ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اس میں طرح طرح کی تحریفات کر کے اس کو ایک خدا کی مذہب کے بجائے اپنا ایک قومی مذہب بنا ڈالا۔ مذاہب کے اندر یہ فساد پیدا ہوجانے کے سبب سے اسلام ان میں سے کسی کو بھی اس لائق نہیں سمجھتا کہ وہ ایک صحیح المذاہب قومیت کی بنیاد بن سکے۔

اسلام میں قومیت کی اساس اوپر یہ بات وضاحت سے اسلام میں قومیت کی اساس ثابت ہو چکی ہے۔ کہ اسلام قومیت کے مفرد عوامل سے کسی عامل کو بھی بے داغ اور مفاسد سے

ادمان لوگوں کے شبہات بھی دُور ہو سکیں جو مذہب کو خواہ وہ کوئی بھی ہو قومیت کی اساس ملنے میں طرح طرح کے خطرے محسوس کرتے ہیں

قومیت کے مسئلے میں انبیاء علیہم السلام کا عمل

قومیت کے مسئلے میں نہ صرف نبی کریم کا بلکہ تمام انبیاء کا عمل پیشہ ایک ہی رہا ہے۔ حضرت نوح سے لے کر نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم تک جو تاریخ قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ وہ اس حقیقت کو بالکل غیر مبہم طور پر واضح کر رہی ہے۔ اگرچہ تمام انبیاء کو کلام نسل، نسب، زبان، نادر وطن سے بنی ہوئی قومیتوں ہی کے اندر سے اُٹھے۔ تاہم انہوں نے اس قومیت کو بھی جائز تسلیم نہیں کیا۔ جائز تسلیم نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جن عوامل سے اس قومیت کی تشکیل ہوئی ہے ان عوامل کے فطری حقوق بھی انہوں نے تسلیم نہیں کئے جہاں تک ان کے فطری حقوق قصود مطالبات کا تعلق ہے ان کو نہ صرف یہ کہ انہوں نے تسلیم کیا بلکہ درمحلے کہیں زیادہ تسلیم کیا۔ اپنے ہم نسبوں اور ہم وطنوں کے لئے ایک شخص کے دلی میں جو محبت و ہمدردی ہونی چاہئے وہ انبیاء علیہم السلام کے دل میں سب سے زیادہ تھی۔ وہ اپنی اپنی قوم کے سب سے زیادہ خیر خواہ اور سب سے زیادہ غم خواستے۔ اور ہمیشہ اپنی قوم کو گمراہ میری قوم کے محبت بھرے خطاب ہی سے مخاطب کرتے تھے۔ تاہم کسی نبی نے بھی اپنی قوم کے ہاتھ میں یہ اعلان نہیں کیا کہ فلاں نسل و نسب کے لوگ ایک قوم ہیں۔ اس وجہ سے ان کے درمیان کسی عقیدہ یا نظریہ کی بنا پر کوئی تفریق نہیں ہونی چاہئے۔ یا فلاں زبان بولنے والے سب ایک قوم ہیں۔ اس وجہ سے انہیں لسانی بنیاد پر دُور دُور کے مقابل میں اپنے آپ کو منظم کرنا چاہئے۔ یا فلاں پہاڑ سے لے کر فلاں دریا تک کے ملک سے اپنے اپنے ایک متحدہ قومیت کے اجزاء ہیں۔ جو شخص ان کے درمیان عقیدہ یا مسلک کی بنا پر کوئی فرق پیدا کرتا ہے وہ انشائیہ پسند ہے۔ اس طرح کی کوئی بات ہمیں کسی نبی سے بھی منتقل نہیں ملتی۔ اور نہ کسی نبی نے کبھی یہ کہا کہ میں اپنی قوم کا ساتھی ہوں خواہ میری قوم حق پر ہو یا باطل پر، ایک قوم کو اپنے بزرگوں سے، اپنی

زبان سے اور اپنی نسل سے جو وابستہ ہوتی ہے اور اس کی بنا پر قوم کے ہر فرد کے اندر ان کی طرف منسوب ہونے والی چیزوں سے جو محبت ہوتی ہے یہ یا ہونی چاہئے انبیاء علیہم السلام اس سے اچھی طرح باخبر تھے۔ اور اپنی دعوت میں انہوں نے اس فطری اپیل سے فائدہ بھی اٹھایا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نہیں کہ اگر ایک چیز عقل اور فطرت کے اعتبار سے حق ہوتی ہے اور حسن اتفاق سے اس کے پیچھے کوئی اس طرح کی تاریخ بھی ہوئی ہے۔ تو انہوں نے اس سے فائدہ اٹھالیا ہے۔ اس نسبت کو بجائے خود کسی چیز کے حق ہونے کی بنیاد تسلیم نہیں کیا ہے۔ مثلاً اسلام کے متعلق قرآن نے عربوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم کا دین ہے۔ (مصلحت ابیکم ابراہیم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ یہ تمہاری اپنی قوم کے اندر سے اُٹھے ہیں۔ یا امیروں کے اندر سے اُٹھے ہیں یا خود قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ ہدشا ہے کہ یہ عربی زبان سمجھنا نہ ہوا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ باتیں اسی مقصد سے کہنی گئی ہیں کہ عربوں کو اس ملت، اس پیغمبر اور اسی قرآن کی طرف راغب کیا جائے۔ لیکن محض اس دلیل کی بنا پر نہیں کہ اسلام ان کے باپ کا دین ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اپنی قوم کے ایک لیڈر ہیں۔ یا قرآن خدا ان کے ادب کا ایک شاہکار ہے۔ بلکہ ان کی حقانیت کے نہایت واضح اور قطعی دلائل قرآن میں الگ بیان ہوئے ہیں۔ ہمدید دلائل تمام تر عقلی اور فطری ہیں۔ ان عقلی و فطری دلائل پر مزید اضافہ یہ بھی ہے کہ جہاں تک عربوں کا تعلق ہے انہیں ان چیزوں سے قوی تعلق کی بنا پر بھی لگاؤ ہونا چاہئے۔ صرف یہی نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے نسل و نسب یا زبان اور وطن کے نعرہ پر لوگوں کو متحد اور منظم ہونے کی دعوت نہیں دی بلکہ ان اسامات پر قائم شدہ تنظیموں کو انہوں نے توڑا اور توڑ کر ان سرنواں کو ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر قائم کرنے کی دعوت دی۔ اور اگر ان کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی ہے تو وہ اپنی اپنی قوموں کو چھوڑ کر انسان سے اعلیٰ برکات کو کہہ کر لوگ ہو گئے ہیں۔ اور جس سرزمین پر بھی ان کو ایمان اور عقیدہ کی بنیاد پر ایک تہی

اعلان برأت کی شکل میں تبدیل ہوئی۔ اور انہوں نے اس قوم کو ملک ہونے کے لئے چھوڑ دیا۔ اور اس کی جگہ پر انہوں نے ایک الگ جمیعت بنائی۔ جو صرف ان لوگوں پر مشتمل تھی جو خدا کو ماننے والے اور اس کے غضب سے ڈرنے والے تھے۔ یہی جمیعت بعد میں ان کی تعلیم و دعوت کی دارش بنی۔ اور اس سے مختلف قومیں وجود میں آئیں۔

اور نوحؑ نے دعا کی کہ اے میرے رب! تو زمین پر کافروں میں سے ایک بھی چلتا پھرتا نہ چھوڑے اگر تو اُن کو چھوڑے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے۔ اور یہ صرف نابالغوں اور ناشکر دلی ہی کو ختم دیں گے اے میرے رب! مجھ کو بخش، میرے ماپ باپ کو بخش اور اُن کو بخش جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہو جائیں۔ اور مومن، مومن اور مومن عورتوں کو بخش اور ظالموں کے لئے تباہی کے سما کچھ اور نہ بڑھا۔

(۷۸-۷۶ نوح)

حضرت نوح علیہ السلام کی اس قوم کے اندر وہ تمام عناصر قومیت موجود تھے جو ایک نسلی اور وطنی قومیت کے خردمندی اجزا سمجھے جاتے ہیں۔ یہ واضح طور پر ایک نسل کے لوگ تھے۔ ایک ہی زبان بولتے تھے۔ جغرافیائی یکجائی نے ان کا یکساں اور معاشی مفاد بالکل مشترک بنا دیا تھا ان کا ایک آبائی دین بھی تھا جس میں وہ سوانح، نبوت، یحیوی، اور نمر نامی دیوتاؤں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان کے ہاں صاحب مال و اولاد لمیڈر بھی تھے۔ اور سورہ نوح کے مطابق اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت کی تمام مادی چیزوں سے اچھی طرح واقف بھی تھے۔ قومیت کے عام تصور کو اگر سامنے رکھا جائے تو ان مادی چیزوں سے یہ قوم لیس تھی۔ حرا کی قوم کو قوم بنانے کے لئے مطلوب ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے الفاظ صاف شہادت دے رہے ہیں کہ اُن کو اپنی اس قوم سے نہایت گہری محبت بھی تھی۔ اگر ان کو محبت بھی تھی تو آخر انہوں نے اس پوری قوم کو توڑ پھوڑ کر کیوں رکھ دیا؟ (باقی صفحہ ۲۱ پر)

تنظیم کے مواقع حاصل ہوئے ہیں انہوں نے وہاں اپنے مقصد کے لئے جدوجہد کی ہے۔ اس حقیقت کا ثبوت یوں تو مرنی کی زندگی سے فراہم ہوتا ہے۔ نیکو نام طوالت سے بچنے کے لئے صرف تین جلیل القدر انبیاء، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے اس کی مثالیں پیش کر سکتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اسوہ

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی وہ قرآن مجید میں یوں نقل ہوئی ہے۔

اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لئے خدا کی طرف سے ایک کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔ اور یہ دعوت دیتا ہوں کہ اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اسی سے ڈرو اور میری بات مانو۔ (۷-۳۰ نوح)

یہ دعوت جس دلسوزی، جس سرگرمی اور جس جوش سے انہوں نے دی اور ان کی قوم نے اس دعوت کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی تصویر خود انہوں نے اس طرح کھینچی ہے۔

اُس نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات دن پکارا۔ مگر میری دعوت نے ان کے گریز ہی میں اضافہ کیا۔ میں نے جب ان کو مغفرت کی دعوت دی تاکہ تو انہیں بخشے۔ انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی اچھیلی ٹھونس لیں۔ اپنے اوپر اپنی چادریں پھیٹ لیں اور منہ اور گھنڈہ کا منہ بھر لیا۔ پھر میں نے اُن کو کھل کر پکارا۔ پھر میں نے ان کو ظاہر بھی سمجھایا۔ اور پوشیدہ بھی سمجھایا۔ میں نے کہا کہ اپنے رب سے مغفرت مانگو وہ بخشنے والا ہے۔ (۵-۱۰ سورہ نوح)

قوم کے سامنے جو دعوت اس سمدردی اور دلسوزی کے ساتھ پیش کی گئی جب تو نے وہ دعوت رد کر دی۔ تو قوم کے ساتھ حضرت نوح کی وہی محبت جو دعوت کے رگ و ریشہ سے ٹپک رہی ہے، بائیزاری

ایمانِ امان

انرجباب مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی اُستادِ دینیاتِ معاشیات
دارالعلومِ ندوۃ العلماء لکھنؤ

پکار نہ ہوگی؟ عہدیت تو انتہا محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ عشقِ حُب
حُب پر سب کچھ نثار کر کے تہی دامن ہو جاتا ہے۔ تو عہدیت و بندگی
کے انمول جواہرات اس کے دامن میں ڈالے جاتے ہیں۔ عہدیت کا خمیر
ہی محبت سے تیار ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ پرستش کی شمع شد محبت
کے بغیر روشن ہو جائے۔ ایک کی بندگی، ایک کی محبت، اس کی بندگی جو
ہر طرح ایک ہے ذات میں بھی صفات میں بھی اس کی محبت ہر طرح کامل
اور جو ہر ایک کا محبوب ہے۔ یہ سب چیزیں انسان کی محبت میں کسی قدر
وصحت پیدا کرتی ہیں۔ اگر مالا عالم ایک ہی معبود کا پرستار ہو جائے
تو نفرت و عداوت کی گنجائش کہاں باقی رہ سکتی ہے بلاشبہ سارے عالم
کے دلوں کو جوڑنے کی طاقت صرف عقیدہ توحید میں ہے۔ عقائدِ شرکی
کی جان ہیں۔ یہ اگر غلط ہوں تو پوری زندگی غلامِ پرستہ پر رہ جاتی
ہے۔ مثال کے طور پر وجودِ کائنات کے متعلق اس خاص مادی نظریہ
کو رہے لیجئے۔ جس کا تذکرہ ہم اوپر کر آئے ہیں۔ یعنی یہ خیال کہ کائنات
کا وجود مادے کی اندھی بہری قوتوں اور طبیعت کے غیر شعوری قوانین
کا بہرہ منت ہے۔ اور کوئی عظیم و قدیر ہستی میں نہیں ہے۔ ”ہے“ بنانے
والی نہیں ہے۔ اب غور کیجئے کہ امن عالم پر اس عقیدے کے کیا اثرات
ظاہر ہو سکتے ہیں؟

ایک ایسے دماغ کے لیے لیجئے جس میں یہ عقیدہ جاگزیں ہو تخیل
کے دروازے سے اس دماغ کے اندر پہنچے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس
عقیدہ کے گرد بہت سے افکار کا انبار لگا ہے۔ کسی انسان میں طاقت
کی زیادتی کے یہ معنی ہیں۔ کہ وہ طبعی قوتوں کا بہترین مظہر ہے۔

خزانیِ حدوں نے انسانیت کے اعضاء کو الگ الگ کر دیا
ہے۔ بعدِ صاف اور رنگ و نسل وغیرہ کے فرق نے ان اعضاء کو ایک
دوسرے کے مقابلہ میں ایسا خود غرض بنا دیا ہے کہ ایک دوسرے کو
کھانے کی کوشش کرتا ہے۔ عالمگیر برادری اور مشترک بھائی کے اراد
ہی وہ خون ہے جو ان سب میں دوڑ کر محبت و یگانگت کے جذبات کو
ابھار سکتا ہے۔ اور خود غرضی کے سر عام کو دور کر کے انسانیت کی قدر
قیمت کا احساس پیدا کر سکتا ہے۔ مجھ کو کوئی بتائیے کہ عقیدہ توحید کے
علاوہ بھی کوئی چیز ہے جو اس بھولے ہوئے سستی کو یاد دلائے؟ جو
شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں اور میرے ساتھ سارا عالم ایک ہی مالک کی ملک
اور ایک ہی معبود کے پرستار ہیں۔ وہ خود بخود اس عالمگیر برادری اور
خدا کی مخلوقیت و بندگی کے رشتہ میں ساری کائنات کو منسلک پاتا ہے۔ یہ
احساس اس کے خلوص و محبت کے دائرے کو سارے عالم پر محیط کر دیتا ہے
انسان دالین سے کیوں محبت کرتا ہے؟ اس لئے کہ وہ اس کے وجود کا
سبب ہیں۔ اولاد سے وہ محبت اس لئے کرتا ہے کہ وہ اس کے بقا کی
ضامن ہے۔ انسان خاک میں مل جاتا ہے مگر اس کے جگر کے ٹھیلے زمین
پر چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ گویا وہ خود باوجود فنا کے باقی ہے۔ یہی وہ
لفظیاتی مرحلہ ہے۔ جو اس کے دل میں محبت اولاد کا ایک دریا
موجزن کر دیتا ہے۔ لیکن والدین اور اولاد اس کے وجود و بقا کے
حقیقی اسباب نہیں ہیں۔ اس کے وجود کی علت وہی ہستی ہے جو خالق و
مالک کائنات ہے۔ غور تو کیجئے کہ کیا انسان ایسی ہستی پر اپنی محبت کی
کل کائنات نثار نہیں کر دیکھا؟ اور کیا اس کی یہ قربانی بالکل فطرت کی

انسانیت بھی اس سے ہمیشہ قاصر رہی ہے جس کی وجہ ظاہر ہے۔ انسانیت اشخاص کے قالب میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ دولت ہر شخص کے پاس موجود ہوتی ہے۔ کوئی شخص فطر تاً اپنے اندر کوئی ایسا خلا نہیں محسوس کرتا ہے جسے دوسرے شخص کی انسانیت پُر کر سکتی ہے۔ نہ اسے اپنے اس لباس میں کوئی ایسا نقص محسوس ہوتا ہے جس کی تکمیل کے لئے اسے دوسرے کی انسانیت میں سے پیوند لگانا پڑے۔ ہر فرد اپنی آدمیت کو کمال سمجھتا ہے پھر انسانیت کی محبت کا جذبہ ابھرے تو کیوں ابھرے؟ حاصل شدہ چیز کی طلب کون کرتا ہے۔ محبت و شوق کی آگ بھرد فزوق کے چھاق سے نکلتی ہے۔ یہ حقیقت نہ ہو تو شمع محبت کا فرد نا ہونا ممکن ہے۔ بے شک نوعی اشتراک کی بنا پر کبھی کبھی انسان کے دل میں انسانیت کی محبت کی غش بھی محسوس ہوتی ہے۔ انباء جنس کی طرف میلان کا طبعی ہونا ہم کو بھی تسلیم ہے مگر نفس کے دھوکے میں نہ آئیے۔ اور یہ کچھ عجیبے کیہ میلان درحقیقت تکمیل ذات کا میلان ہے نہ کہ خود انسانیت کی محبت۔ اس لئے یہ بہت محدود ہوتا ہے۔ اور کوئی عالمگیر مرکز افکار جمیا کرنے کی قطعاً صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہ تراکضادات، ایک خاندان سے بھی آگے قدم نہیں بڑھاتا پورے عالم کو گھیر لیتا تو بڑی چیز ہے۔ غور تو کیجئے کہ اگر خود انسانیت کی محبت کا جذبہ بھی انسانی فطرت کے کسی حصہ پر قابض ہوتا تو اپنی اندر پائی اولاد کی محبت میں غیر معمولی فرق کی کیا وجہ ہے؟ کیا دونوں کی انسانیت میں بھی کچھ فرق ہوتا ہے؟

ذرا نقشہ کو اکٹ کر بھی پڑھئے۔ تو بڑی دیکھ کے لئے فرض کیجئے کہ نسلوں اور ممالک کی تقسیم کے ساتھ دنیا میں مہبودوں کی بھی تقسیم ہو جائے یا انکا واسطی کا تعلق متعدد مشترک مہبود کے ساتھ ہو جائے اس حالت میں وہ مرکز کہاں سے آئے گا جو سارے عالم کے افکار کو جمع کر کے مختلف افراد کے افکار کا تصادم تو دوسری چیز ہے خود ایک شخص کے افکار میں بھی تصادم اور تضاد شروع ہو جائے گا۔

محبت کی فطرتاً ایک ہی آنکھ ہوتی ہے شاید اس کی فنیاتی حقیقت بھی تعجب و رجحانات میں یکسوئی ہے۔ مہبود کا محبوب ہونا بھی ضروری ہے۔

یہ اس کی فضیلت کی دلیل ہے۔ حق کا مدار بھی فضیلت پر ہے جو فضل ہے۔ اس کے حقوق بھی طبعی طور پر زیادہ ہیں۔ پس طاقت اور حق ملاوت ہیں۔ کمزور کو ہرگز حق دہ حاصل نہیں ہے جو طاقتور کہے۔ یہ زندگی کا سرمایہ لذت ہے زیادہ سے زیادہ لذتیں حاصل کرنا ہی مقصود زندگی ہے۔ اس مقصود کے حصول میں جو حارج ہو اس کو ہر طرح راہ سے ہٹا دینا چاہئے۔

• کمزور پر رحم کرنا یا بعض انسانیت کے رشتہ کو اہمیت دینا غیر طبعی اور غیر اعتدال پذیر چیزیں ہیں اس لئے کہ انسان طبعی طور پر خود غرض ہے۔ "یہ اور اسی قسم کے افکار آپ کو اس دماغ میں ملیں گے جن سے قدر تا زہریلے جذبات و اخلاق پیدا ہوں گے۔ انصاف سے کہیے۔ کہ کیا اس قسم کے دماغ دنیا میں ایک لمحہ کے لئے بھی امن و سلامتی اور راحت و اطمینان کا باعث بن سکتے ہیں؟ تکبر، خود پرستی، خود غرضی، لذت پرستی، عدولت پرستی، حرص و آرزو سارے امن و سوز جذبات اخلاقی اس عقیدے کے لئے لازم ہیں جو بارود سے کہیں زیادہ آتش گیر ہیں معمولی سی گرم فضا ان کو مشتعل کر دینے کے لئے کافی ہو جاتی ہے۔ اور محبت و انسانیت کا خرم دم کے دم میں خاک کا ڈھیر بن جاتا ہے۔ انسانیت فکر کی طاقت بہت بڑی طاقت ہے۔ ہر شخص کی اس بے پناہ طاقت و قوت کو اگر بالکل آزاد و کھلا جائے۔ تو اس میں تصادم نہ بنائے یعنی ہے۔ یہ تصادم اس قدر خوفناک ہوتا ہے کہ ممالک (atoms) کا تصادم اس کا ایک معمولی سامنے ہے۔ اس کا مدار صرف یہی ہے کہ افکار کی ان منتشر قوتوں کو ایک مرکز کے ساتھ مربوط کر دیا جائے۔ اتحاد مرکز کی وجہ سے کل افراد انسانی کے افکار ہیں۔ باوجود اختلاف ایک اتحاد کا رنگ نمایاں ہو گا۔ جو تصادم کو روک کر امن و سلامتی کے تحفے کے ساتھ فکری تعاون و ترقی کا تحفہ بھی انسانیت کے سلسلے پیش کرے گا۔ وحدت مہبود ہی کا عقیدہ وہ مرکز ہے جو افکار عالم کو ایک رشتہ میں پروں دے گا۔ دنیا کے کسی عقیدہ میں یہ طاقت و قوت نہیں جو افکار کے اس عظیم الشان اور لاتعداد مجمع کو جمع کر کے یہاں تک کہ خود

متعدد ممبروں کی پستش کا عہد کے انسان اپنے دل کی متاعِ قلیل کس کے قدموں پر شاہ کر سکتا ہے؟ لہذا یہ قطرہِ غمی کہاں کہاں بہائے گا؟ آخر فطرت غالب آئیگی اور جوں ان میں سے کسی ایک کی نند کو کے بقیہ سے نظریں پھیرنی پڑیں گی۔ اس میں ہر شخص اپنے شخصی ذوق کے احکام مانے گا۔ بس تفرقہ اور فساد کی بنا نہیں سے پڑ جائے گی۔ امدانِ نیت کی داستانِ درد کا پہلا باب خود اسی کے نوی سے لکھا جائے گا۔

خیالات، توجہات اور رجحانات کے اس تصادم و تضاد کے بعد زندگی کے سائے نظریات میں اختلاف ہونا ضروری ہے۔ ریاست، معیشت، اخلاق، اعمال، زندگی، کا کوئی شبہ اس اختلاف سے بچ نہیں سکتا۔ یہ ذہنی جنگ افراد سے گذر کر اجتماعات تک اور خیالات سے گذر کر عمل تک لازماً پہنچتی ہے۔ اور انسانیت کو فتنہ و فساد کے ایسے جہنم میں دھکیل دیتی ہے جو پوری زندگی پر محیط ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اجتماعی زندگی کے ساتھ انسان کی انفرادی زندگی بھی اس کے شعلوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ تواضع، امن و سلامتی امداد و اتفاق کی جان ہے، اس کو شرک کے ساتھ بالکل مناسبت نہیں ہے۔ آقا کی عظمتِ غلام کے وقار کو بڑھا دیتی ہے۔ اپنے خالق کی برتری اور دوسرے کے خالق کی کٹری کا خیال اپنی برتری اور دوسرے کی کٹری کا احساس منطقی طور پر پیدا کرتا ہے۔ یہ خیال فتنہ کی جڑ اور تکبر کی اصل ہے۔ تاہم گواہ ہے کہ دنیا میں اسی قسم کے خیالات کی وجہ سے کتنے فتنے اور فسادات پیدا ہوئے ہیں۔ انسان میں تواضع اور تکبر جس طرح ضروری ہے اسی طرح عہد داری بھی لازم ہے تو جدید دونوں سمتیں اس میں ہیں پیدا کرتی ہے اور اس طرح آدمی کو مکمل انسان بنا دیتی ہے۔

اس گھوڑ پونیرٹی کے کسی پروفیسر سے

دوسرا سوال :- پڑھے یا افریقہ کے کسی مردم خواہ حشری سے
دو دن انسان کو کافی بتائیں گے۔ نوع انسانی کا یہ متفقہ فیصلہ روزمرہ

کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ جن کا انکار غیر ممکن ہے۔ مگر فطرت محض اس مشاہدہ اور فیصلہ سے مطمئن نہیں ہو جاتی اس کی نگاہیں موت کے پرشے کو چاک کر کے اس کے چھپے دیکھنا چاہتی ہیں۔ موت کے بعد کیلئے؟ کوئی نئی زندگی ہے یا محض فنا؟ اس کے بعد جو کچھ ہے اس کو ہم نے افعال و اعمال سے کیا تعلق ہے؟ کیا کوئی ایسا فعل بھی ہے جس سمیت گھاٹی کے بعد بھی ہماری بقا کا ضامن ہو سکے؟ یہ سب سوالات ہیں جو ہر انسان کے ذہن و دماغ میں بالکل فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ پہلے سوال کی طرح اس کے جوابات میں بھی اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ یہ سب جوابات دوسروں کے ذیل میں داخل ہیں۔ اور سوال اقل کے جوابات کے ساتھ گہرا ربط رکھتے ہیں۔

پہلا جواب

موت کا پہلے پاد کرنے کے بعد ایک دوسرا جہان ہے جس کے حوصہ ہیں۔ ایک حصہ میں ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والا آرام ہے ایسا آرام جس کی اصلی کیفیت کا تصور بھی یہاں محال ہے دوسرا حصہ وہ ہے جس میں ہمیشہ باقی رہنے والی تکلیف ہے۔ ایسی تکلیف جس کی شدت کا اندازہ بھی یہاں ناممکن ہے۔ دونوں کا حاصل کر لینا انسان کے اختیار میں ہے۔ اور دونوں کا تعلق اس کی اسی دنیاوی زندگی سے ہے۔ اس کا کردار ہی وہ چیز ہے جس کی اچھائی برائی اس کو دونوں میں سے کسی ایک ٹھکانے پر پہنچاتی ہے۔ پھر جو اس عالم کا خالق اور مالک ہے وہی اس عالم کا بھی خالق و مالک ہے اس کے احکام پر چلنا ہی وہ راستہ ہے جو دائمی آرام کے ٹھکانے پر پہنچاتا ہے۔ لہذا اس کی نافرمانی ہی وہ راستہ ہے جو دائمی تکلیف و مصیبت کی جھٹی میں گرانا ہے۔ وہ مالک ہمارے بر کام کو بجا تا حد تک دیکھتا ہے۔ اور ایک دن ایسا آئے گا جب ساری مخلوق کو جواب دہی کے لئے اس کے سامنے حاضر ہونا پڑے گا۔ اس دن حیاتِ مدنی و مادیات کے ساتھ منصفِ حقیقی ہر شخص کے متعلق اس کے ایک ایک قدمہ اعمال کا حساب کر کے اچھے برے ٹھکانے اور جزا و سزا کا فیصلہ کر دیگا۔

(باقی آئندہ)

عصر حاضر کا بنیادی مسئلہ

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک عربی تقریر کا ترجمہ جو بغداد میں نوجوانوں اور طالب علموں کے ایک اجتماع میں کی گئی تھی۔ عراق میں جتنا زہ فوجی انقلاب آیا ہے اور وہاں کے مسلمانوں نے سابقہ حکمرانوں کو بزدل و شمشیر میدان سے ہٹا کر جو نئی حکومت قائم کی ہے اور وہاں کے نظام حکومت کو نئے حکمران چلانے والے ہیں۔ تو اس موقع پر اس تقریر کی اہمیت خاص طور سے بڑھ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے مضمرات پر خوب غور کیا جائے۔ اور یہ صرف بغداد کے نوجوانوں کے لئے خطاب نہیں بلکہ تمام عالم اسلامی کے نوجوان اس کے مخاطب ہیں۔)

ننانو کا اصل مسئلہ ایمان و اخلاق کا مسئلہ ہے۔ اس سے زیادہ اہم مسئلہ حقیقت میں کوئی نہیں ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ میری موضوعات کے بعد آپ پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی۔ کہ نوع انسانی دنیا کے ہر خطے میں، ایک ہی گتھی میں اُجھی ہوئی ہے اور وہ "ایمان و اخلاق کی گتھی" ہے۔ یہی سارے آلام کی جڑ اور سارے مصائب کی اصل ہے اور یہ وہ پچیدگی جو آج باعث پریشانی نظر آتی ہے اس کا سلسلہ اسی سے جاکے ملتا ہے۔ آج جو چیز کھوئی گئی ہے اور جس کے کھو جانے نے ہم پر یہ عالمگیر مصیبت ڈال دی ہے وہ تنہا "ایمان" ہے۔ اور وہ چیز جسے لوگ لگ گیا ہے اور جس کے لوگ نے ہمیں انفرادی و اجتماعی دائروں اور ملکی و بین الاقوامی معاملوں میں موجودہ تہذیب و تمدنوں سے دوچار کر دیلے، وہ "ایمان و اخلاق" ہے۔

نفس پرستی انسان تو سب یکساں ہیں اور ہمیشہ وہی ہیں ہم بھی بشر ہیں اور حکمران طبقہ بھی بشر ہے لہذا محض کسی کے برسر حکومت آجانے اور کسی کے ہٹائے جانے سے

سوچتا ہوں کہ کس موضوع پر گفتگو کروں؟ مسابک و موضوع کا تو ایک دفتر پھیلا پڑا ہے۔ اور یہی صورت میں یہ سوال قدرتی ہے کہ آدمی کس کسے اور کس کو چھوڑے۔ لیکن آئیے میں سب کچھ چھوڑ کر اپنے ایمان و ضمیر کی بات کہوں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ آپ کی دلچسپی کی فکر کروں۔ میرے لئے یہ بس ہے کہ اپنے ضمیر اور اپنے ایمان کو مطمئن کروں۔ اگر میں نے اپنے ضمیر کو مطمئن کر دیا۔ تو میں سمجھونگا کہ میں نے آپ کے ایمان کا سامان بھی فراہم کر دیا۔

مجھے آپ سے کوئی علمی اور تاریخی بات نہیں کہنے اس لئے کہ یہ تاریخی اور علمی باتیں اتنی کہی گئی ہیں کہ ہم سب اکتا گئے ہیں۔ اور پھر آپ میں خود ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ جو آپ کی علمی یا سیاسی بھڑکتے ہیں آج کا دور گوناگوں مسائل اور پچیدگیوں کا دور

ایمان و اخلاق ہے۔ ہر طرف انہیں عصری مسائل اور الجھنوں کا تذکرہ ہے۔ جدھر دیکھیں ہمیں اقتصادی مسئلہ پر گفتگو ہو رہی ہے کہیں سیاست کی گتھیوں پر زور دینا صرف کیا جاتا ہے۔ غرض یہی اجتماعی مسئلہ ہیں جو ہر جگہ موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ لیکن میری نظر میں اس

ہیں اور جس کا نتیجہ کبھی کبھی طویل اور طاقت خیز جنگوں کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ اور مسابقت خیر و شر میں نہیں صرف اغراض میں ہے۔ یورپین اقوام میں جو کشمکش چل رہی ہے اس کی حقیقت یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی قوم موجودہ مناسبات کے اندازہ قدر میں الٹی کے نفاذ اور انسانیت کی خدمت کیلئے غالب ہونا چاہتی ہے اور اس کے پیش نظر مساوات انسانی، تمام قسط و عدل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقدس مقاصد میں۔ نہیں دوستو! ایسا نہیں ہے اس کشمکش کا مقصد صرف قیادت ہے۔ ہر قوم یہ چاہتی ہے کہ اسے حکومت و قیادت حاصل ہو تاکہ اپنی خواہشات آزادی سے پوری کر سکے۔ الغرض سارا جھگڑا اسی کیلئے ہے کہ کون صاحب امر و نہی ہو اور کس کو خواہشات کی تکمیل اور ذاتی و جماعتی مفادات کی تکمیل کی قوت حاصل ہو۔

مثال کے طور پر برطانیہ اور اس کے اتحادی، امریکا کی کیمپ سے اس لئے نبرد آزما نہیں ہیں کہ حق و انصاف قائم ہو۔ اسی طرح کیونسٹ کیمپ کا مغربی اتحادیوں سے نزاع بھی کبھی اس مقصد کے لئے نہیں رہا۔ اس کی جنگ اور کشمکش تو صرف اسی لئے ہے کہ دنیا میں تنہا ہی کیمپ جو تمام وسائل، مدد اے پرتا یعنی ہے اور عالمی تجارت اس کے ہاتھ میں آئے۔ عام نوع انسانی کی بھلائی کے لئے نہیں صرف اپنے ہم مسکوں کی فلاح و بہبود کے لئے۔

الغرض ان تمام بین الاقوامی تنازعات کا مبنی صرف نفس پرستی ہے۔ اور جب تک موجودہ انسان کے اس متغیر کے اندر سراپا شرف و ہذب کی اصلاح نہ ہوگی۔ عالم کے صلح و فلاح کی کوئی توقع نہیں کی جاسکتی۔

دوستو! اس وقت کا سب سے اہم کام یہ ہے کہ انسان بدلے۔ اس دنیا میں برتنے انسان کے تابع ہے۔ اور انسان اپنے نفس، ضمیر اور عقیدے کا تابع ہے۔ پس اگر انسان کے نفس اور ضمیر میں صلح ہے تو انسان صلح ہوگا۔ اور جب انسان صلح ہوگا تو نظام عالم درست ہو جائے گا۔ حدیث نبوی ہے۔

کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا۔ فساد حال کا اصل سبب تو ایمان و اخلاق کا فقدان ہے۔ لوگ عموماً سمجھتے ہیں کہ صلح و فساد کا دار و مدار حکومتوں اور پارٹیوں پر ہے۔ فلاں پارٹی اور فلاں وزارت مثلاً اگر چلی جائے اور اس کی جگہ فلاں وزارت اور فلاں پارٹی برسرِ اقتدار ہو جائے تو بس کتنی سچے جائے گی اور مسئلہ حل ہو جائے گا۔ لیکن خیال غلط ہے۔ جلد بازی اور قلتِ فکر کا نتیجہ ہے۔ مسئلہ کا تعلق حکومتوں اور پارٹیوں اور کچھ خارجی اصلاحات سے نہیں ہے۔ مسئلہ اصل میں ذہن اور خیالات کیلئے۔ مسئلہ نفس اور قلب کا ہے۔ جب تک وجود ذہنیت تبدیل نہیں ہوگی خیالات کا رخ نہیں بدلیگا اور نفس و قلب میں تغیر نہیں رونما ہوگا۔ اس وقت تک یہ اوپری تغیرات بے معنی ہیں۔ مسئلہ بالکل جوں کا توں رہے گا، خواہ کتنی ہی حکومتیں بدلیں اور کتنی ہی پارٹیاں آئیں جائیں۔ آج حال یہ ہے کہ افراد اپنے تمام اختلافات کے باوجود مادہ پرستی، خود غرضی، اور نفس پروری کی صفات میں پڑا اشتراک رکھتے ہیں۔ نفس پرستی سب کی مشترک صفت ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ کس پر نفس سکر رہا ہے تو انفرادی نفس رہ جاتا ہے۔ اور کس پر ذہنیت ہے تو جماعتی نفس بن جاتا ہے۔ بس یہی ذہنیت آج عالم پر مستولی ہے۔ اور خارجی حالات و اطوار کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری انہیں نفس کی خرابی اور اسی مادہ پرست خود غرضی اور ذہنیت میں ذہنیت کے غلبہ پر ہے۔

دوستو! عرض بس یہی ہے اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھئے آپ اپنے طور پر خود غور کیجئے۔ جب بھی آپ خالی الذہن ہو کر غور کریں گے اور حقائق کی گہرائی میں اتریں گے تو آپ خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اصل مصیبت ایک ہے اور وہ ہے "نفس پرستی" پس جب تک دلوں کے اندر سے مادہ پرستی نہیں نکلے گی خارجی حالات کی درستگی کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی۔

منفعت قوموں کے درمیان یہ مسابقت اور مقابلہ جس کی خبریں ہمیں روزانہ اخبارات میں نظر آتی ہیں

بین الاقوامی کشمکش کی حقیقت

الا ان فی الجسد مضغۃ یاد رکھو کہ جسم انسانی میں ایک
اذا صلحت صلح الجسد تو پھر اسے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے
کلمہ و اذا فسدت فسدت تو پھر اس جسم ٹھیک ہو جاتا ہے
الجسد کلمہ الادھی القلب اور جب اس میں خرابی آجاتی ہے
تو پھر اسے جسم میں فساد رونما ہو جاتا
ہے وہ کیا ہے؟ وہ دل ہے۔

سطحی النظر لوگوں کی تحریروں اور تقریروں سے عام لوگوں
میں یہ خیال پھیل گیا ہے کہ اگر فلاں فلاں مینا دہلے پر کوئی حکومت
قائم ہو تو نظام عالم درست ہو جائے گا۔ یا فلاں شخص اور فلاں
جماعت کے برسرِ اقتدار آنے سے ایسا ہو جائیگا۔ لیکن انہیں یہ معلوم نہیں
کہ سوائی کا فساد قلب و فساد نظر کے فساد پر مبنی ہے۔ اور جب تک یہ
اصل سبب دور نہ ہو کر رہے کیسے دور ہو سکتا ہے؟

دوستو! یہ کسی کوشش نہیں کی بات نہیں۔ ایک تجربہ کار اور باخبر
کی بات ہے۔ یہ ایک ایسا شخص کہہ رہا ہے جسے بحوالہ اللہ اگر سے مطالعہ
کے مواقع حاصل رہے ہیں۔

ایک اجنبی اور نادان شخص اگر کسی اندھیرے کمرے میں داخل
ہو تو جب تک بجلی کا سوئچ نہ کھولا جائے اسے وہاں کی چیز کا پتہ نہیں
چل سکتا۔ لیکن ایک باخبر کمرے میں داخل ہوتے ہی سوئچ کی جگہ کا پتہ چلا
لیتا ہے اور اسے کھول دیتا ہے دم کے دم میں سارا کمرہ روشن ہو
جاتا ہے۔ اور وہ انسان اپنی ضرورت بآسانی پوری کر لیتا ہے۔ اللہ
کے پیغمبروں اور ان کے متبعین کی یہی شان ہے۔ اس مثال سے یوں
سمجھئے کہ یہ دنیا ایک اندھیری کوٹھڑی ہے جس میں روشنی کا سوئچ
ایکان ہے۔ ادھر سوئچ پر ہاتھ پہنچا اور ادھر روشنی کی شعلہ نکلی۔
جس سے یہ تیرہ دنار عالم دم کے دم میں بقعہ نور بن جاتا ہے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب یہ دیکھتا ہوں کہ دنیا کے تمام
ملکوں میں چاہے وہ اسلامی ہوں یا غیر اسلامی۔ جو لوگ چوٹی کے
ارباب علم و دانش اور بڑے صاحب تجربہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس
ماملہ میں ان کا فکر کس قدر ناچختہ ہے۔ موجودہ مسائل پر وہ بالکل

اس شخص کی ہی گفتگو کرتے ہیں جس کی نظریں نہ کوئی گہرائی ہے
اور نہ فکر میں کوئی پختگی۔ ریاست و اجتماعیات کی عصری پیچیدگیوں
کا حل وہ یہ سمجھتے ہیں کہ غلامی پارٹی کو اقتدار حاصل ہو جائے اور
اس طرز فکر کا نتیجہ یہ ہے کہ جب اس پارٹی کے اقتدار سے
بھی مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ پیچیدگیاں کچھ بڑھ ہی جاتی ہیں۔ تو
پھر کسی دوسری پارٹی کے تجربہ کی سوسبھتی ہے۔ اور تجربہ بتا دیتا ہے
کہ یہ تو پہلے ہی بدتر ہے۔ پھر کہا ہے کہنے والے نے۔۔۔

الا انما الایام ابناؤ واحد وھذی اللیالی کلھا اخوات
یہ دن سارے کے سارے بھائی بھائی ہیں اور راتیں سب آپس میں بہنیں ہیں یعنی یکساں ہیں
فلا تطلبن من عندی ویر ولیلۃ خلاف الذی حرمت یہ السنۃ
پس کسی دن اور کسی رات سے اس کے علاوہ توقع مت رکھو جو برسوں سے پیش آ رہا ہے
آخر غریب انسان کی جان پر کب تک یہ تجربے کئے جائیں گے؟
اور کب تک ہم اس لاطالی تلاش و جستجو کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ انبیاء
علیہم السلام کا دامن کیوں نہ پکڑا جائے۔ جو میں تقیہ علم عطا کرتے
ہیں اور ہم ان کے سارے دکھوں کے لئے تیر بہدف نسخہ رکھتے ہیں۔

سوسائٹی سے پہلے افراد
اور اصل افراد کا ہے۔ ہم جب تک

مجھے اسی حقیقت سے اعراض کرتے رہیں گے ہمارے مسائل کی ڈور
اٹھتی ہی ہے گی اور گتھیوں پر گتھیاں پڑتی رہیں گی۔ موجودہ تہذیب
اور فلسفہ تمدن کی لائی ہوئی مصیبتوں میں سے یہ بھی ایک بڑی مصیبت
ہے کہ افراد سے بالکل صرف نظر کر لیا گیا ہے۔ عمرانی و اجتماعی علوم
نے ذہنوں پر کچھ ایسا اثر ڈالا ہے کہ فرد بالکل نظر انداز ہو گیا۔ اور
مسائل کے سمجھاؤ اور نلاح و ترقی کے لئے تمام تر اعتماد حکومتوں اور
جماعتوں اور اداروں پر کیا جانے لگا۔ حالانکہ ان سب چیزوں کی بنیاد
فرد ہی پہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب اپنے افراد پر توجہ فرمائیے۔ ان کو
سنواریے اور اجتماعی ڈھانچے کے قابل بنائیے۔ جواب ملتے کہ ہمیں
افراد سے کیا سروکار۔ ہمارا دور اجتماعی دور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجبوری
کی اہمیت برحق! لیکن افرادی سے توجہ نہ دیتے۔ افراد ہی تو ایک

ہر چند کہ یہ حد درجہ مضحکہ خیز منطق ہے۔ لیکن کیا آج یہی وہ بنیادی نظریہ نہیں ہے جو تعلیم گاہوں، محکماتوں اور حکومت کے محکموں میں کارفرما ہے؟

یہ اراکین حکومت، عدالتوں کے جج اور فوج کے سپاہی کہاں سے آئے ہیں؟ کیا ان کی اکثریت خواب اور ہرادی میاں کے لحاظ سے ناقص نہیں ہے؟ پس یہ مجرم افراد کیسے ایک صلح، بلند میاں اور عالی اخلاق مجموعہ میں تبدیل ہو جاتے ہیں؟ انوس کہ پوری دنیا آج اس منطقی کے آگے سرنگول ہے حتیٰ کہ علمی سطحوں پر بھی اسی منطقی کا ڈنکا بج رہا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ آج بن لوگوں کے ہاتھ میں شہر دل کا نظم دست ہے آج جو حکام و افسران بنے ہوئے ہیں یا یونیورسٹیوں اور دوسرے علمی اداروں میں جنہیں اعلیٰ مناصب حاصل ہیں وہ اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو بغاستگی سے کم کی چیز کے متقی نہ ٹھہرتے بلکہ ان کی جگہ جلی خانہ میں ہوتی۔ اور نہایت گری پڑی ملازمت کے بھی اگر خواہاں ہوتے تو وہ انہیں نہ دی جاتی۔ لیکن میں جس منطق اور طرز فکر کا ذکر کر رہا ہوں اس نے عقلموں پر ایسا سحر کر دیا ہے کہ اب جو شخص افراد کا مسئلہ اٹھاتا ہے وہ رجوعت پسند گردانا جاتا ہے۔

اے اصحاب قلوب مومنہ! تم سوسائٹی کا جو سر **طریق اصلاح** اور جان مناشہ ہو۔ تمہاری پیشانی کی لکیریں میں انسانیت کا روشن مستقبل سمایا ہوا ہے۔ اور تمہارے ہی فکر و ضمیر سے اگر کسی امید وابستہ ہے۔ اٹھو! اور اپنے آپ کو روحانی ، اخلاقی اور علمی دایمانی پہلوؤں سے اس کا رے عظیم کے لئے تیار کر دو یہی وقت کی پکار ہے، یہی آج کا فرض اور سب سے بڑا جہاد ہے۔

میں جس ملک میں بھی گیا۔ اور جہاں بھی اپنے بھائیوں سے ملا، ہر جگہ دنیائے اسلام کے بارے میں گفتگو پائی۔ ہر مجلس میں یہی دیکھا کہ دنیائے اسلام پر آنسو بہائے جا رہے ہیں۔ دنیائے اسلام ایک جیتی جاگتی حقیقت ہے۔ اس کے مقام کا اگر کوئی انکا کرتا ہے تو وہ جاہل ہے یا احمق۔ یہ میرا عقیدہ ہے اور اس کا

نظریہ اور ایک مقصد پر جمع ہو کر اجتماعی شکل پیدا کرتے ہیں۔ پس جب افراد نہ ہوں گے تو مجموعہ کہاں سے بنے گا؟ لیکن کہا جاتا ہے کہ افراد کی اصلاح اجتماع اور سوسائٹی کی اصلاح سے وابستہ ہے۔ یہ لوگ جو افراد کو چھوڑ کر ازا دل تا آخر مجموعوں پر نظر جاتے ہوئے ہیں۔ ان کی مثال حقیقت میں یہی ہے جیسے کوئی شخص ایک بڑی جہتیت اور بھاری ساز و سامان کے نقل و حمل کے لئے ایک کشتی بنانا چاہتا ہے۔ مگر جو تختے اس کے لئے جمع کر رہا ہے گلے مڑے اور گھٹے ہوئے ہیں۔ ایک واقعہ کا شخص یہ دیکھ کر اس سے کہتا ہے کہ میان! یہ تختے ایسی مضبوط کشتی کے کام کے نہیں ہیں۔ ان تختوں سے جو کشتی تیار ہوگی وہ کسی بڑی جماعت اور بھاری اسباب کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گی۔ مگر اے جواب ملتا ہے کہ ان تختوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اصل چیز تو کشتی ہے جب ان تختوں سے کشتی بن جائے گی تو ان تختوں کی خصوصیات اس مجموعہ میں گم ہو جائیں گی۔ اور ان کی کمزوریوں اور نقائص کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ پس تختوں کی کمزوری سے کشتی کے بارے میں کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں! — حالانکہ بدیہی بات ہے کہ خواب چیز بہر حال خراب ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ بہت سی خراب چیزیں ملی کر اچھی بن جائیں۔ چور تو چور ہی ہے کیا یہ ممکن ہے کہ جب بہت سے چور جمع ہو جائیں تو ان کا مجموعہ چور نہ رہے بلکہ شہر کا محافظ دستہ بن جائے؟ —

لیکن کیا نیچے کہ مغرب کی عقلیت یہی کہتی ہے، وہ کہتی ہے کہ چور اپنی اپنی انفرادی حیثیت میں چور ہونے میں مگر اجتماعی شکل میں وہ چور نہیں پاسان بن جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا منطق ہے؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ بھڑیا بھڑیا ہے لیکن جب چند بھڑیے جمع ہو جائیں تو وہ رکھوالے بن جاتے ہیں۔

چنگاری گھر جلاتی ضرور ہے لیکن جب چند چنگاریاں یکجا ہو جائیں تو وہ آگ کے بجائے بردا و سلاماً (سراپا خنکی اور سلامتی) بن جاتی ہیں۔

مشاہدہ میں نے ہندوپاکستان میں بھی کیا، مگر میں بھی کیا اندر ضرور
شام میں بھی۔ اور دوستو! تم اس دُنیا سے اسلام کا ایک جُز دو
تم اگر یہ سمجھتے ہو کہ اس کی زندگی تمہارے بغیر ہو سکتی ہے۔ اور تم پر اس
بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو یہ غلط ہے! لیکن اس وقت
صورت واقعہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو عالمِ اسلامی کی فکر میں ڈوبے
ہوئے ہیں انہیں عموماً اور تو سب باتوں کی فکر ہے اگر نہیں ہے
تو بس اپنی فکر نہیں ہے۔

سارے جہاں کا جائزہ لیتے جہاں سے بے خبر

حالانکہ قاعدے کی بات یہ ہے کہ جب مجھے اس دُنیا کی
اصلاح کی فکر ہے، اور میں خود بھی اس کا ایک جُز ہوں۔ تو مجھے
اس جُز کی (صحیح لفظی) اصلاح سے بھی دلچسپی ہونی چاہئے۔ لیکن
جیسا کہ میں نے عرض کیا عام طور پر ہمارے بھائیوں کا حال یہ ہے۔
کہ وہ اپنی ذات پر کوئی توجہ نہیں کرتے۔ گویا کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان
کی ذات "عالمِ اسلامی" میں داخل نہیں ہے۔

دوستو! ہم پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنی ذات اور
ادارے آپ کی خبر لیں۔ اس بارے میں اپنے آپ کو پوری طرح ذمہ دار
رکھیں کہ عالمِ اسلامی کی درستی انہیں اجزاء کی درستی پر موقوف ہے
برادرانِ کرام! ہماری مثال اس وقت پھر ایسی ہے جیسے کہ ایک
نہ پہلے سنا ہوگا کہ کسی بادشاہ نے اعلان کیا کہ وہ ایک
دودھ سے بھرا سا حوض چاہتا ہے۔ اور جو شخص جتنا دودھ اس میں
ڈالے گا اس کی قیمت اُسے دی جائے گی۔ اس اعلان پر ایک دودھ
ڈالنے والے نے اپنے دل میں سوچا کہ ادھر سب تو دودھ ڈالیں گے ہی، میں
اگر بجائے دودھ کے ایک بالٹہ پانی ڈال دوں تو اتنے بہت سے دودھ
میں کیا پتہ چلے گا چنانچہ وہ سجائے دودھ کے حوض میں پانی چھوڑ
دیا۔ لیکن یہ سوچنے والا وہ تنہا نہیں تھا، شخص نے اپنی جگہ پر یہی
سوچا اور نتیجہ یہ نکلا کہ بادشاہ جب صبح حوض پر پہنچا تو دیکھا کہ
حوض تمام تر پانی سے بھرا ہوا ہے۔

یعنی یہی ہمارا قصہ ہے۔ ہم میں سے ہر فرد بجائے خود یہی

سوچتا ہے کہ ایک میں اگر کچھ ہوا ہوں تو اس سے عالمِ اسلامی کی
مجموعی حالت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پورے
عالمِ اسلامی پر فطاری ہو چکا ہے۔ آپ جائزہ لے کر
دیکھئے ہماری ساری گفتگوؤں کا محور اپنے ذات کے ماسوا ہو چکا ہے
دوستو! اپنے ساتھ انصاف کرو۔ اُن معاملات کے ذکر و
فکر سے آخر کیا فائدہ جن میں آپ کوئی خدمت انجام نہیں دے
سکتے؟ اپنے ماسوا میں اشتغال و انہماک بہت آسان ہے اور اس
کے برعکس اپنے نفس میں اشتغال، اپنا جائزہ ادا اپنی فکر، بڑا تلخ
اور بڑا کٹھن کام ہے۔ انسان چونکہ سہولت پسند واقع ہوتا ہے اس
لئے سارا کا سارا عالمِ اسلامی اپنی ذات کو نظر انداز کر کے دُور
کے معاملات میں مشغول ہو گیا ہے۔ یہ انداز فکر بڑا خطرناک اور
قابلِ علاج ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی فکر کرے، اپنی
ذات کو سنو اور یہ تاکہ عالمِ اسلامی کی تعمیر میں وہ ایک کا سارا
ایٹ ثابت ہو سکے ہمیں چاہئے کہ ہم ایک مومن و مجاہد اور صادق
و انقلاب گردہ بنیں۔ ایسا گردہ جو پاک نفس اور صاف ذہن ہو،
ایسا گردہ جس کی جڑیں گہری ہیں اُتری ہوئی ہوں۔ جس کے جذبات میں
قوت اور تلب میں زندگی ہو۔ اگر یہ بات پیدا ہو جائے تو یقیناً
کہ ہم فساد کا سیلاب روک کر اس کی جگہ خیر و صلاح کا سیلاب لائیں گے۔

ہمارا مسئلہ دراصل آدمیوں کا ہے۔ اور آدمی ہی نہیں! کہنے
لوگ ہیں، جو یہ سمجھ ہوئے ہیں کہ حکومت اصلاح کی کجی ہے۔ پس اس
پر قبضہ کر لینے سے اصلاحی انقلاب آجائے گا۔ مگر سوچنے کی بات یہ
ہے کہ حکومت کو کون چلاتا ہے؟ آدمی ہی تو چلاتا ہے، آپ کی حکومت
کے لئے وہ آدمی "کون" سے ہیں۔ اور کیسے ہیں؟ — بس
یہی عالمِ اسلامی کی اس گنجی ہے۔ اگر اس گنجی کو حل کرنا ہے۔ تو اپنے آپ
کو تیار رکھئے۔ اور اخلاق و ایشاد و قربانی کے مرکز میں اتریں مستقبل
کا مرکز دراصل اخلاق و اصلاح ہی کا مرکز ہے کسی مقام پر اگر ایک شخص
بھی ایسا پیدا ہو جائے جو ملک و قوم کے

کے قدموں سے اُگر لگی۔ قیصر دُکسریا کے خزانے ان کے لئے فرشِ راہ ہو گئے۔ مگر سیم وزر کی یہ ریل پیل ان کی وضعِ نہ بدل سکی۔ ابوعلیہ اور سعد دوسنی اللہ عنہما، کو دیکھتے۔ جیسے تھے۔ ویسے ہی رہے۔
 — حضرت سلمان فارسی کو دیکھتے۔ عراق کے گورنر بنا کر بھیجے گئے۔ لوگ اپنے محمد بن کے استقبال کے لئے نکلے۔ لیکن وہ کیا دیکھتے ہیں؟ کہ بھلے کسی کو فرسے کسی شخص کا کچھ سامان، بحیثیت ضرور کے سر پر لانے لئے چلے آئے ہیں!

دوستو! دنیا کی یہ گراوٹ اور
گراوٹ کا سبب اپنی دراصل اس وقت سے شروع

ہوئی ہے۔ جب سے امت محمدیہ میں بگاڑ آگیا۔ اور وہ مشیوہ زندگی ترک ہو گیا۔ جس کا تعلیم مدرسہ محمدی سے ملتی تھی۔ ہمیں آج اسی طرزِ زندگی اور اسی وضعِ قلعہ دارانہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کا سزاوار کاہر میں آپ جیسے نوجوانوں سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔ جو اپنے نفس کو تنگی، محاسن میں ڈالیں۔ اور بے تکلف زندگی اختیار کریں۔
 افسوس! آج کی عرب اقوام کو عیش و عشرت اور فضولِ خرقہ کا مرض بری طرح لاحق ہو چکا ہے۔ آج ان میں کوئی شخص بغیر کار، کوٹھی اور بڑی آمدنی کے زندگی نہیں گزار سکتا یہ مرض ہیں لے بیٹھا۔ اور یہی مرض تھا۔ جو رومیوں اور ایرانیوں کے خاتمہ کا باعث ہوا تھا۔ انہیں یہ مرض جس حد تک لاحق ہو گیا تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ مدائن پر جب مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ اور شاہ ایران بزدل گرد و مال سے ٹکرا۔ تو اس کے ساتھ ایک ہزار بادچی تھے۔ اور اتنے ہی اس کے ہار و خنکروں کی دیکھ بھال کرنے والے مگر اس پر بھی اس کا کہنا یہ تھا۔ کہ ہمارے افسوس! میری کیا حالت ہو گئی۔ صرف اتنے سے خدام میں سہ تھے کہ سکا۔ یہ تھی تعیش و تنعم کی وہ انتہا جس پر ان قوموں کا تمدن پہنچ گیا تھا۔ اور یہی ان کے عبرتناک زوال کا باعث ہوا۔ پچاس ہزار سے کم کی ٹوپی پہننا اس سوس ٹیپی میں موجبِ عار تھا۔ امراء ۲۵ ہزار سے ۵۰ ہزار تک کا پٹکا باندھتے تھے۔ جو جو امر دیا قوت سے یہیں ہوتا تھا۔ ان تلافیات سے بچا کا تو کیا ہوا۔ سلطنت اور عزت سب خاک میں

گردی معادات کو بے تکلف قربان کر کے تو کوئی شہ نہیں رکھو۔
 تنہا ایک انقلاب برپا کر سکتا ہے!

یہ ہیں کوئی فرضی اور خیالی بات نہیں
زندہ مثالیں گہر دہا ہوں۔ اسلامی تاریخ میں اس

اشارہ و اخلاص کی زندہ جاوید مثالیں موجود ہیں۔ دینائے اسلام پر ایک دور آیا کہ فضا با کھل تاریخ ہو گئی۔ روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی تھی۔ عالم اسلام پر بڑا سخت وقت پڑا تھا۔ اور بابِ حکومت ظلم کی راہ پر پڑ گئے۔ نظامِ حکومت فساد سے بھر گیا تھا۔ مظالم کا دور و دورہ تھا۔ حقوقِ پامال ہو رہے تھے۔ لوگوں کے امن و اطمینان کے سارے سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ مختصراً یوں کہیے کہ عالم اسلام مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک، ایک جاں سوز مرض کی گرفت میں تھا۔ کہ ایک مرد خدا اٹھا۔ وہ کون؟ عمر بن الخطابؓ! اس نے اپنے آپ کو بچانا۔ آخرت کے دن کو جاندار اور اپنے نفس کو بچانا کر دیا یہ ایسی قوت تھی۔ جس کے بل پر وہ قنِ تنہا بادی کا سیلاب روکنے اور عالمِ اسلامی کا رخ صلاح کی طرف موڑنے میں کامیاب ہوا!

آج ایسے افراد کہاں ہیں؟ بلکہ ایسے افراد پیدا کئے والے کہاں ہیں؟ کیا آج کے کالج اور تعلیمی ادارے اس قسم کے افراد پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں! افراد کی ایسی تربیت ایمان کرتا ہے۔ یہ نتائجِ عقیدے اور اخلاق کی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور بس!

پس میرا گزارش آپ سے یہی ہے کہ اپنی سیرت کی تعمیر کیجئے۔ اپنے دلوں میں ایمان و اخلاق کی پرورش کیجئے۔

— اللہ اور یومِ آخرت پر سچے دل سے ایمان لائیے۔ اور اسلام کی بہبودی کو اپنا نصب العین بنائیے! — آپ سیرت و کردار کی مضبوطی کا وہ مقام پیدا کیجئے۔ کہ اگر ملک کے ملک مسخر ہو جائیں اور محکمات کی زمام کار ہاتھ میں آجائے تو حوص و ہوس کا کوئی ادنیٰ

دھبہ دامن کو نہ چھو سکے! — صحابہ کرام کی پیشانی تھی۔ وہ خستہ حال اور تہی دست تھے۔ تن ڈھلے اور پیٹ بھرنے کے پورے وسائل بھی انہیں حیا نہ تھے۔ اس احتیاج کے عالم میں دنیا ان

عراق تیاری کے آئینے میں !

تو وعدہ پیٹ کر جیب میں رکھ لیا گیا۔ اور عراق پر باقاعدہ حکومت کے منصوبے بنائے جانے لگے۔ چنانچہ برطانیہ کے خلاف زبردست فوجی ہنگامے ہوئے۔ اس دوران برطانیہ نے جبر و ظلم کی پالیسی اختیار کی۔ مگر ہنگامے بدلتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مارچ ۱۹۶۱ء میں برطانیہ نے دوسری پالیسی اختیار کی جس کا مدعا یہ تھا کہ عراق کا استحصال تو کرو مگر ملکی بادشاہی کی آڑ لے کر۔ چنانچہ اسی سال امیر فیصل اول کو بغداد کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ اس طرح عرب امراء کا سہارا لے کر عراق کی شدید مخالفت کے باوجود ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو ایک معاہدہ پر دستخط کر لئے گئے۔ جس میں برطانوی مفادات کا مکمل طور پر تحفظ کر لیا گیا تھا۔ ۱۹۶۵ء میں موصل کا صوبہ بھی امیر فیصل کی ماتحتی میں دیدیا گیا۔ ۱۹۳۰ء میں ایک نیا معاہدہ برطانیہ اور شاہ فیصل کے درمیان ہوا۔ جس کی میعاد پچیس سال تھی۔ معاہدہ میں خارجہ پالیسی، دفاع، برطانوی فوجی اڈوں، ملک کے اندر فوجوں کی نقل و حرکت کے ذرائع کے استعمال کے سلسلے میں ایسی دلتا شامل کر لی گئی تھیں کہ عملاً بادشاہ ایک برطانوی گورنر بن کر رہ گیا تھا بلکہ اس سے بدتر۔

۳۰ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو برطانیہ کے ایما پر عراقی ایک آف نیشنلزمین شامل ہو گیا۔ ۱۹۳۳ء میں برطانیہ کے مختار دوست شاہ فیصل انتقال کر گئے۔ ان کی جگہ ۲۱ سالہ شاہ غاز نے لی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مذکورہ بالا طاق پر برطانیہ کی گرفت۔ ملک پر روز بروز مضبوط ہوتی گئی۔ اور اس نے عراق کے تیل کے خزانوں پر غیر معمولی رعایت حاصل کرنے کے بعد تیل تلاش کرنا شروع کر دیا۔ اور موصل و بصرہ میں ان کی تیل کمپنیاں کام کرنے لگیں۔ برطانیہ کی عام پالیسی اب تک عرب عوام کی مرضی کے سراسر خلاف تھی خصوصاً شاہ غاز کے زمانہ کے دوران یہ نفرت بہت زیادہ بڑھ گئی کہ چونکہ عربوں کو مختلف ذرائع سے دبانے

عراق تاریخی اعتبار سے دنیا کے ان قدیم ترین ممالک میں شمار ہوتا ہے جہاں تہذیبوں نے بار بار عروج کی منازل طے کیں۔ اور بار بار تباہ ہوئیں۔ بڑے بڑے معرکے ہوئے بڑی بڑی ہستیاں پیدا ہوئیں، نامور ملوک و امراء نے عشرت کدے قائم کئے۔ مہارت و علوم کے سرچشمے چھوٹے، خون کی ندیاں بہیں ایسی کہ جلد و فرات کا پانی رنگین ہو گیا۔ علماء و مصلحین گذرے جلد و فرات، بابل و نینوا کے کھنڈرات، میدان کر بلا گند خضراء اور عبدالقا در جیلانی کے مزار آج بھی عراق کی دیرینہ عظمت کی چند بچی بچی یادگاریں ہیں۔ اس مضمون میں عراق کی موجودہ سیاسی تاریخ کا آغاز ہم اس دور سے کریں گے جس سے یہاں کی موجودہ سیاسی اکھاڑ پھاڑ کا براہ راست رابطہ ہے۔

موجودہ حکومت سے پہلے عراق پر عثمانیوں کا قبضہ تھا عثمانیوں نے عراق پر ۱۵۳۴ء سے ۱۵۳۵ء کے درمیان قبضہ کیا اس سے پہلے یہاں ایران کا صفوی خاندان حکمران تھا عثمانیوں کی حکومت عراق پر ۱۹۱۴ء تک باقی رہی۔ اسی سال پہلی جنگ عظیم پھڑکی۔ جس میں برطانیہ اور ترکی کے درمیان زبردست معرکے ہوئے۔ برطانوی افواج نے اس سال شط العرب کے علاقہ پر قبضہ کر کے اس کو اپنی افواج کا مرکز بنالیا۔ ۱۹۱۵ء تک شریف حسین مکہ کی مدد سے بغداد بھی انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ اور عثمانی حکومت کا دائرہ تقریباً پورے عربی بولنے والے علاقہ سے سمٹ کر ترکی تک محدود ہو گیا۔ برطانیہ نے اگرچہ شریف حسین مکہ اور اس کے بیٹوں سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ جنگ میں کامیاب ہونے کے بعد پورا مفتوحہ علاقہ ان کو دیدیا جائے گا۔ مگر جولوگ انگریزی سیاست دانوں کے اس قسم کے وعدوں سے واقف ہیں ان کو یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہو سکتی کہ برطانیہ کا اس وعدہ سے کیا مطلب تھا۔ چنانچہ جنگ ختم ہو گئی

ملک کے اندر بڑے پیمانے پر فسادات شروع ہو گئے چنانچہ ریجنٹ نے معاہدہ متروک کر دیا۔ اور وزارت مستثنی ہو گئی۔ اور ستمبر ۱۹۵۸ء کا معاہدہ بدستور برقرار رہا۔ بہر حال عراق میں اس تبدیلی کے بعد مضطرب کم نہ ہوا اور لوگوں نے برطانیہ کے اقتصادی استحصال کے خلاف مزاحمت شروع کر دی۔ عوام کا مطالبہ تھا کہ تیل کی کمپنیاں جو بے پناہ سرمایے جاتی ہیں ان میں عراق کا حصہ اور زیادہ ہونا چاہئے یہ مطالبہ چونکہ عراقی شاہ کے مفاد کے حق میں تھا۔ اس لئے حکومت نے بھی مغربی کمپنیوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ راکٹی میں اضافہ کریں چنانچہ مجبوراً ان کمپنیوں نے راکٹی ۵۰ فیصد تک دینا منظور کر لی۔

۲۸ اگست ۱۹۵۸ء میں فوری حکومت نے تمام پارٹیاں توڑ دیں۔ اور اٹھ اخبارات بند کئے گئے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ پارٹیاں کامیاب نہ ہو سکیں جو غیر جانبداری کی حامی اور مغرب کے خلاف ہیں۔ انتخابات کے بعد فوری پارٹی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ مشرق وسطیٰ میں روسی اثرات بڑھنے اور مغرب کے خلاف نفرت روز بروز بڑھنے کے باعث اہل مغرب نے ایک منصوبہ تیار کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ مشرق وسطیٰ کے زیادہ سے زیادہ ممالک کو ایک گروپ میں منسلک کر دیا جائے۔ اور ان سے اس طرح روابط رکھے جائیں کہ بالادستی بہر طور مغرب ہی کی رہے۔ اس کے مقاصد دو گونہ تھے۔ اقتصادی بھی اور جنگی بھی۔

چنانچہ عراق اور عربوں کے ازلی دشمن ترکی کو اس بات پر آمادہ کیا گیا۔ کہ وہ باہم تحفظ اور دفاع کا معاہدہ کر لیں نتیجہً دونوں ممالک کے درمیان ۲۴ فروری ۱۹۵۵ء کو باہمی تعاون اور دفاع کا ایک معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدہ کی مصروفیت اور سودی عرب کی طرف سے شدید مخالفت کی گئی۔ خصوصیت کے ساتھ مصروفیت نے اس کے خلاف بڑا سخت رویہ اختیار کیا۔ ان ممالک کو روس کی نہ صرف یہ کہ مکمل طور پر حمایت حاصل تھی بلکہ بالواسطہ طور پر روس کا ہی اس مخالفت کے پیچھے زیادہ ہاتھ تھا۔ بعد میں اس معاہدہ میں پاکستان۔ ایران اور برطانیہ بھی شامل ہو گئے۔ برطانیہ کے شمول

کے علاوہ برطانیہ نے فلسطین میں اسرائیلیوں کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ تاکہ ان کو عربوں کی بے چینی کے خلاف برقت ضرورت استعمال کیا جاسکے۔ اس کا اثر عراق کے حکمران طبقہ پر بھی پڑا۔ اور یہ لوگ جرمنی کی طرف ٹھک گئے۔ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ شروع ہو گئی۔ برطانیہ ایسے وقت میں کی حال میں بھی یہ برداشت نہ کر سکتا تھا کہ عراق جرمنی کا ساتھ دے۔ کیونکہ اس طرح قوتیل کے مفادات تباہ ہونے کے علاوہ شکر کے لئے مشرق وسطیٰ کے برطانوی مقبوضات پر قبضہ کر لینا نسبتاً بہت زیادہ آسان ہو جاتا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ برطانوی سیاست دانوں نے اسی سال ایک سازش کے ذریعہ شاہ غازی کی موٹر کا حادثہ کر دیا۔ جس میں وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس کی موت کے بعد اس کا چار سالہ لڑکا فیصل ثانی تاج و تخت کا وارث قرار دیا گیا۔ اور فیصل کے چچا اور اسماعیل امیر عبداللہ کی ریجنی قائم کر دی گئی۔ شہزادہ عبداللہ بڑا برطانیہ فوایتھا۔ مگر عراقی فوج کے اندر عبداللہ کی پالیسی کے خلاف ناراضگی پائی جاتی تھی۔ چنانچہ رشید گیلانی کی زیر قیادت ایک فوجی انقلاب آ گیا۔ رشید نے جنگ عظیم کے دوران برطانوی افواج کو عراق کے اندر سے گزرنے کی ضمانت کر دی۔ اگرچہ رشید نے اعلان کر دیا تھا کہ وہ برطانیہ کے ساتھ جنگ کرنا نہیں چاہتا اور اس کا یہ اقدام صرف اس لئے ہے کہ وہ عراق کو جنگ کی ہولناکی تباہیوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ مگر برطانیہ کب یہ برداشت کر سکتا تھا کہ ایسے وقت میں جبکہ اس کی جان کے لئے پڑے ہوئے ہیں عراق سے اس کی فوجیں نہ گزر سکیں۔ چنانچہ مئی ۱۹۴۱ء میں برطانیہ نے دوبارہ بصرہ اور بغداد پر قبضہ کر لیا۔ اور یہاں فوجی مورچہ قائم کر دیا۔ اور عراق کو مجبوراً کچھ عرصہ کے لئے برطانیہ کا ساتھ دینا پڑا۔ ۱۹۴۳ء میں عراق نے بحری طاقتوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ۱۹۴۸ء میں برطانیہ نے ۱۹۳۰ء کے معاہدہ کو ایک نئے معاہدہ سے بدل دینے کی خواہش ظاہر کی چنانچہ عراقی وزیر اعظم لندن گئے اور ایک نیا معاہدہ کر کے آ گئے۔ اس میں چونکہ بہت سی ایسی دفعات تھیں جن سے برطانوی تسلط میں بہت زیادہ اضافہ کا امکان تھا۔ اس لئے

عراق کی آبادی

عراق کا رقبہ ۱۱۶۰۰۰ مربع میل
ہے۔ آبادی ۵۰ اور ساٹھ لاکھ کے
درمیان ہے۔ عراقی چار نسلوں سے
تعلق رکھتے ہیں۔ سب سے زیادہ
عرب ہیں۔ ان کی تعداد ۸۰ فیصد ہے
کچھ کرد ہیں ان کی تعداد ۵ فیصد ہے
کچھ ایرانی ہیں۔ ان کی تعداد ۳ فیصد ہے
کچھ ترک ہیں ان کی تعداد ۲ فیصد ہے
یہ سارے رنگ مسلمان ہیں

ہونے والے تھے کہ فوج نے قصر شامی کا محاصرہ کر کے شاہ فیصل
شامی اور شہزادہ عبداللہ کو قتل کر دیا۔ اور اسی طرح وزیر اعظم
السید موت کے گھاٹ اُتارے گئے۔ اور حکومت پر قبضہ کر دیا۔
کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں

کے بعد بغاوت اور زیادہ تند ہو گئی۔ عراق میں کئی دفعہ شدید مظاہر
ہوئے۔ جب بھی معاہدہ بغداد کا کوئی اجلاس ہوا۔ عراقیوں نے کسی
نہی شکل میں احتجاج کیا۔ یہ حالات اسی طرح جاری رہے۔

یکم فروری ۱۹۵۸ء کو مصر کے صدر ناصر اور شام کے صدر
شکری القوا تلی نے دونوں ممالک کے ادغام کا اعلان کر دیا۔ ۵
فروری ۱۹۵۸ء کو مصر اور شام دونوں کی پارلیمنٹوں نے متفقہ طور پر
صدر ناصر کو نئی مملکت متحدہ عرب جمہوریہ کا صدر نامزد کیا۔ ۱۶ فروری
۱۹۵۸ء کو دونوں ممالک کے عوام نے استصواب رائے کے
ذریعہ ادغام اور ناصر کی صدارت کی توثیق کر دی۔ اس صورت
حال نے مشرق وسطیٰ کی سیاست کو ایک نئی راہ پر ڈال دیا۔ مصر
اور شام کے ادغام سے اہل مغرب اور امریکہ کو بڑی تشویش لاحق
ہوئی۔ کینیڈا ادغام نے پورے عرب علاقہ میں اتحاد کی روح کو
اس طرح بیدار کر دیا۔ کہ اس کو دبانا آسان نہ تھا۔ چنانچہ عرب جمہوریہ
کے مقابلہ میں ۸ فروری ۱۹۵۸ء کو عراق اور اردن کے بادشاہوں
کی طرف سے دونوں ممالک کے ادغام کا اعلان کر دیا گیا۔ عربوں نے
اس نئی یونین کے خلاف بڑی نفرت کا اظہار کیا۔ خصوصاً مصر اور
شام میں تو ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ اور شاہ حسین اور شاہ فیصل
کو عربوں کے مفادات کا غدار اور مغربی طاقتوں کا آلہ کار قرار دیا
گیا۔ ساتھ ہی وسیع پیمانہ پر سازشیں بھی شروع کی گئیں یہ سازشیں
چونکہ عربوں کے مشتعل جذبات سے بہت زیادہ ہم آہنگ تھیں
اس لئے کامیابی توقع سے زیادہ ہوئی۔

اس ماہ کی ۱۴ تاریخ کو معاہدہ بغداد کا اجلاس انقرہ میں
ہونے والا تھا۔ تاریخ مقررہ پر شاہ عراق اور وزیر اعظم روانہ

معاہدۂ بغداد

مغرب کا حلیف بنانے کی کوشش شروع کر دی گئی۔ اور اس بات کا خیال رکھا گیا کہ چونکہ یہاں علاقہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ اس لئے اس کی بنیاد مسلم ممالک ہی کے ہاتھوں رکھوائی جائے۔

چنانچہ یہ کوشش اس شکل میں بار آور ہوئی کہ ۲۴ فروری ۱۹۵۵ء میں ترکی اور عراق کے درمیان ایک معاہدہ عمل میں آ گیا جس کا مقصد دفاع اور تعاون بتایا گیا۔ اس معاہدہ کے دیباچہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے

”ترکی اور عراق کے درمیان پہلے ہی دوستانہ اور براہ راست تعلقات موجود ہیں۔ اور یہ تعلقات روز بروز خوش گوار ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی ضمن میں دوستی اور سرکاری کے ایک معاہدہ پر شاہ عراق اور صدر ترکی نے ۱۹۵۴ء میں دستخط کئے تھے۔ اس معاہدہ میں یہ تذکرہ موجود تھا کہ دونوں ممالک کے درمیان امن و سلامتی کا برقرار رکھنا عالمی امن و سلامتی کا لاینفک جزو ہے۔ خصوصاً اس کا مشرق وسطیٰ کے امن و سلامتی سے گہرا تعلق ہے۔ اور یہی خارجہ پالیسیوں کی بنیاد ہے۔“

ان گراں ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے جمہوریت متحدہ کا ممبر ہونے کی حیثیت سے ان دونوں ممالک پر عائد ہوتی ہیں۔ دونوں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس معاہدہ کے ذریعہ ان مقاصد کو پورا کیا جائے جن کا تعلق امن و سلامتی سے ہے۔

اسی معاہدہ پر دستخط چونکہ ابتدا میں ہوئے تھے اس لئے یہ معاہدہ بغداد کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اور اس معاہدہ میں دوسرے

دوسری جنگ عظیم کے اختتام کے بعد جو مئی کی مکر تو ٹوٹ گئی مگر فاتح اقوام دو گروپ میں بٹ گئیں۔ سادہ دونوں نے زبردست جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور عالمی جنگ پر ابھی ۱۴ سال قبل سے گزرنے پائے تھے۔ کہ دھڑے بننے شروع ہو گئے۔ اور جنگی خطوط کھینچ جانے لگے۔ مغربی یورپ نے اپریل ۱۹۵۱ء میں شمالی ایشیائیوں کے نام سے جو فوجی معاہدہ قائم کیا وہ اسی قبل سے تھا۔

اپنی یورپ کے اندر تو لائن بندی کر لی مگر ان کے مقابلہ کا ایک برا حصہ ایشیا اور افریقہ میں واقع تھا چنانچہ ادھر بھی توجہ دی گئی۔ کیونکہ روس نے ان ممالک میں مغربی اثر زائل کرنے کے لئے بڑے پیمانہ پر سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔ چنانچہ اہل یورپ نے چند ایشیائی اور یورپی اقوام کے اشتراک سے ایک اور معاہدہ ستمبر ۱۹۵۵ء میں میٹان جنوب مشرقی ایشیا کے نام سے قائم کیا۔ اس میں اگرچہ دوسری اقوام کی شمولیت کے لئے بھی دروازہ کھلا رکھا گیا تھا۔ مگر کچھ زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔ صرف آٹھ اقوام جن میں تین مغربی ممالک بھی تھے۔ اس معاہدہ میں شامل ہونے کے بعد چار جنوب مشرقی ایشیا میں ایک دفاعی خطہ کھینچ دیا گیا۔ جس کے بڑے مقاصد یہ قرار دیئے گئے کہ کمیونسٹوں کی ترغیب کی سرگرمیوں کا انسداد کیا جائے۔ خواہ زیر زمین کام کر رہی ہوں یا کسی اور شکل میں۔

اہل مغرب کے لئے جنوب مشرقی ایشیا سے بھی زیادہ اہم علاقہ مشرق وسطیٰ کا تھا۔ جہاں دنیا کا ۶۴ حصہ تیل پیدا ہوتا ہے۔ جو پورے اہل امریکہ کی اجارہ داری میں تھا۔ نہروین جیسی اہم آبشاریہ بھی اسی علاقہ میں واقع تھی۔ اور اہل یورپ کی بدقسمتی سے روس آہستہ آہستہ اس علاقہ میں سرایت کر رہا تھا۔ اس خطرے کو بھانپتے ہی مشرق وسطیٰ کے ان ممالک کو جو مغرب کے دوست تھے فوجی معاہدات کئے گئے۔

رکن ہے۔ مگر معاہدہ کا ممبر نہیں۔

اس معاہدہ کے ذریعہ مغرب و مشرق کے ممالک نے جو دفاعی لائن کھینچی تھی وہ اسی نوعیت کی تھی کہ روس براہ راست مشرق وسطیٰ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ روس کے راستے میں یہ بہت بڑی رکاوٹ تھی۔ جو برطانیہ اور امریکہ نے پاکستان، ایران اور ترکی اور عراق کی مدد سے قائم کر دی تھی۔ روس معاہدہ کے قیام کے وقت ہی سے اس پر حملہ آور تھا۔ اور اس کا شیرازہ دھمکیوں اور خفیہ سرگرمیوں کے ذریعہ توڑ دینا چاہتا تھا۔ روس کی خوش قسمتی سے اس کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے بہتر زمین بھی مل گئی تھی۔ ایک طرف ماسکو ریڈیو اس معاہدہ کے خلاف زہر افشانی کھاتا رہتا تھا دوسری طرف اس کا ہم کمر قاهرہ و طرابلس اپنی روزمرہ کی نشریات میں اس کو مغربی سامراجیت کی پناہ گاہ قرار دیتا رہتا تھا۔ ان دونوں کی کوششوں سے مشرق وسطیٰ کی فضا اس قدر جذباتی ہو گئی کہ اس معاہدہ کا نام غدامی کا مترادف بن گیا۔

اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اسی معاہدہ کے خلاف سازشیں بھی شروع کی گئیں۔ اس سازش کی ایک کڑی عراق کا خونی انقلاب بھی ہے جس میں شاہ کو قتل کر کے وہاں سے بادشاہی کا خاتمہ کر دیا گیا اور انقلابیوں نے اعلان کر دیا کہ وہ اس معاہدہ سے الگ ہوئے ہیں جس سے غداروں نے ملک کو وابستہ کر دیا تھا۔ معاہدہ بغداد کا سیکرٹریٹ بھی بغداد ہی تھا۔ فوج نے اس کے دفتر پر بھی قبضہ کر کے اس کو سیل کر دیا ہے۔

اسی طرح وہ معاہدہ جس کی ابتدا بغداد سے ہوئی تھی بغداد ہی سے اس کی کڑی ٹوٹی۔ معاہدہ کے باقی ممبروں نے شاہ حسین کو معاہدہ کا ممبر تسلیم کر لیا ہے۔ اسی لئے کہ اس سال فروری میں دونوں ممالک نے اقدام کا اعلان کر دیا تھا اور دونوں ملک ایک یونین بن گئے تھے۔ آئندہ کیا صورت حال ہوگی یہ حقیقت معاہدہ کے اس اجلاس کے بعد ہی سامنے آئے گی جو اسی ماہ لندن میں ہو رہا ہے۔

مالک کی شرکت کا ہوا ذرا بھی کھلا رکھا گیا۔ بلکہ عام دعوت دی گئی۔ چنانچہ برطانیہ نے اس معاہدے کا خیر مقدم کیا۔ اور ۵۔ ۱۹۵۵ء کو معاہدہ میں شریک ہو گیا۔

پاکستان نے بھی برطانیہ کی پیردی کی اور ۲۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کو وہ بھی اسی میں شامل ہو گیا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء کو ایران کی پارلیمنٹ نے بھی منظوری کا اعلان کر دیا۔

اس طرح اس معاہدہ کے پانچ ممبر ہو گئے۔ مگر روس نے اس کے خلاف اتنا طوفان کھڑا کیا۔ کہ کسی اور ملک نے ہد میں شامل ہونا مناسب نہ خیال کیا۔ بھارت بھی پاکستان کے باعث روس کا ہم نہ بن گیا۔ مصر اور شام روس کے زیر اثر آنے کے باعث اس کے شدید مخالفت بن گئے۔ سعودی عرب، اردن، لبنان، اور دیگر مشرق وسطیٰ ممالک نے بھی غایت اس میں سنجیدگی سے حصہ لیا۔ معاہدہ بغداد کے اب تک باقاعدہ اجلاس ۴ ہوئے ہیں اور پانچواں اس مہینے کی کسی تاریخ کو ہونے والا ہے۔ پہلا اجلاس ۲۷ نومبر ۱۹۵۵ء کو بغداد میں ہوا۔ دوسرا اجلاس ۱۶ اپریل ۱۹۵۶ء کو طرابلس میں ہوا۔ تیسرا اجلاس ۶ جون ۱۹۵۷ء کو کراچی میں ہوا۔ چوتھا اجلاس ۲۷ جنوری ۱۹۵۸ء کو انقرہ میں ہوا۔ معاہدہ بغداد کی چار کمیٹیاں ہیں۔

(۱) عسکری

(۲) اقتصادی کمیٹی

(۳) رابطہ کمیٹی

(۴) تخریبی سرگرمیوں کے انسداد کی کمیٹی

ان کمیٹیوں کی رکنیت کی شرط معاہدہ رکنیت سے مختلف رکھی گئی ہے۔ کوئی بھی ملک جو معاہدہ بغداد کا رکن نہ ہو ان کمیٹیوں میں سے کسی ایک یا چند کمیٹیوں کا ممبر بن سکتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ معاہدہ میں باقاعدہ شرکت کرے۔ چنانچہ امریکہ مذکورہ بالا کمیٹیوں سے دو (عسکری کمیٹی اور اقتصادی کمیٹی) کا

تصوف کی حقیقت !

حضرت مولانا عبدالمباری ندوی لکھنؤی سابق استاذ فلسفہ جامعہ عثمانیہ مجدد آباد دکن

گمراہی کہ دین ہی نہیں کمال دین سمجھ لیا جائے اس کی جڑ کٹی گئی ہوگی اور اس کا استیصال کتنا دشوار ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی راہ سے شرک والحاد تک کی جو گمراہیاں مسلمانوں میں جڑ پکڑ گئیں ان کو چونکہ عین دین یقین کیا جانے لگا اس لئے ان کا ازالہ آسان نہیں ہوتا۔

عوام اور بہت سے خواص سب کو کیسے کیسے مناظرے میں نہ کر لی کشف و کرامات اور تصرفات کو تصوف جانتے ہیں کوئی اشغال و مراقبات اور احوال کیفیات کو تصوف یقین کرتا ہے کوئی خاص خاص رسوم و عادات کو تصوف سمجھتا ہے۔ کسی کے نزدیک تصوف نام ہے عبادات و مجاہدات اور ترک تعلقات کا۔ کوئی فلسفی یا فلسفی مزاج تصوف سے مراد وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے نظریات لیتا ہے۔ اور کوئی اس کا سراور و معنیات کا مجموعہ ترا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اہل مغرب نے اس کا نام ہی سیرت (سیرم) رکھ دیا۔ خود مسلمانوں میں بھی بہتوں نے اس کو ایک سینہ بر سینہ راز ہی بنا رکھا ہے۔ اللہ سب گمراہوں سے بڑی گمراہی میں مبتلا وہ ہیں جنہوں نے تصوف و طریقت، حقیقت و معرفت کو شریعت کا مقابل یا اس کی ضد گمان کر لیا ہے۔

ہمارے حضرت اور اس قدر کے مجدد حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح کی تمام گونا گوں افلاطون ایک کر کے دور فرمایا ہے لیکن یہ تجدید تصوف کا صرف سببی پہلو تھا۔ اصل تجدیدی کارنامہ اس باب میں طریقت کے اس ایمانی پہلو کو واضح فرمانا ہے کہ وہ شریعت ہی کا دوسرا رخ بلکہ عین شریعت ہے

بر ظاہر کتنی عجیب بات ہے کہ تصوف ایک طرف تو کمال دین یا درجہ احسان ہے جو اسلام دایمان کا بلند ترین مقام ہے اور حضرات صوفیہ یا اولیاء اللہ کی نسبت تصوف یہ ہے کہ ان کو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب و اقربیت، حضور و مہیت کا جو مقام حاصل ہوتا ہے وہ خالی علوم ظاہری کے حاملین، بڑے بڑے نقباء و محدثین کو بھی نہیں جتنا۔ ان کو اپنی زندگی کے سارے اعمال و افعال حرکات و سکنات میں ایک ایسی نسبت میسر ہوتی ہے کہ گویا وہ ہمہ وقت اللہ کے مشاہدہ و حضوری میں ہیں۔ اور کسی نہ کسی نوع کے مکالمہ و مناجات سے بھی مشرف ہیں۔ اسی طرح صوفیہ سے بلند درجہ صرف انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ یہ اولین و اللہ یا بزرگان دین کے بلے میں عوام ہی کا عقیدہ نہیں بلکہ خواص و محققین کے ہاں بھی کسی نہ کسی صورت میں تسلیم ہے۔

لیکن دوسری طرف تصوف کے متعلق اور تصوف کی راسخ حقیقی غلطیاں غلط فہمیاں بلکہ طرح طرح کی گمراہیاں امت میں پھیلی ہیں۔ فرق اسلام اور علوم اسلامیہ میں شاید ہی کسی فرقے یا علم و فن کی راہ سے یا اس کے متعلق پھیلی ہوں۔ بدعات و خرافات، اباحت و الحاد، کفر و شرک تک کی کوئی شکل مشکل ہی سے پچی ہوگی جس کو کوئی نہ کوئی داخل تصوف بلکہ عین تصوف نہ جانتا ہو۔ اسی بنا پر بہت سے اکابر اسلام تصوف کے سرے سے منکر ہو گئے۔ یا اس کو سراپا ضلالت قرار دیدیا۔

بات یہ ہے کہ کسی شے کے کمال کا تعلق ہمیشہ اس کے ظاہر سے زیادہ باطن، کم سے زیادہ کیف، قشر سے زیادہ مغزیہ جسم سے زیادہ جان اور صورت سے زیادہ معنی سے ہوتا ہے۔ ساتھ ہی جہش میں جتنا زیادہ کیف و لطف ہوتا ہے اتنا ہی اس کی نسبت غلطیاں اور گمراہیاں زیادہ راہ پا جاتی ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ جس غلطی اور

پھر اسی طرح کو صرف نظری طور سے پیش نہیں فرمایا گیا ہے۔ بلکہ عملی طور سے اس کی تعلیم و تربیت کا غایت تحقیق و اجتہاد کی شان ہے اور سر فرازا کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح "انسان کامل" کے دورِ رخ ہیں علامہ باطن، یا قلب و قالب، اسی طرح "دین کامل" کے بھی دو رُوح ہیں۔ طہریت و طریقت۔ اور جس طرح شریعت نام ہے ظاہری یا قالب کے اعمال و احکام کا، اسی طرح طریقت یا تصوف نام ہے باطن یا قلب کے اعمال و احکام کا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ تصوف نام ہے باطن کی فقہ کا جس نماز روزہ وغیرہ کے ارکان و اعمال کی ایک ظاہری صورت ہے جس کے احکام فقہ میں بیان ہوتے ہیں، اسی طرح عشق و خضوع، حضورِ قلب یا دل سے حق تعالیٰ کی یاد و ذکر (اقتداء بالصلوٰۃ لذكری) قلب و باطن کے اعمال ہیں جس طرح ترکِ اکل و شرب روزہ کا ظاہر ہے اسی طرح اس کا باطن تقویٰ (لحکمہ تتقون) ہے۔ پھر جس طرح مختلف اعمال شرعیہ اپنی اپنی قالبی صورت رکھتے ہیں۔ اسی طرح ان سب کی صحت و مستقم، قبول و عدم قبول کا مدار قلبی نیتیں (الاعمال بالنیات) اور درجاتِ اخلاص پر ہے۔ سب سے بڑھ کر ایمان اور عقیدہ جن پر نبات اور ظاہر و جوارح کے سارے اعمال کی صحت و قبولیت کا مدار ہے۔ اور جن کے بغیر نہ نماز، نہ روزہ

روزہ، نہ بالکلہ یقین و اذعان کے قلبی و باطنی فعل ہی کا نام ہیں۔ سارے عقائد و ایمانیات کی جڑ "توحیدِ الہ" یا

"لا الہ الا اللہ" ہے۔ یعنی الہیت و معبودیت، یا نفع و ضرر کی، یعنی فعل و اثر کی، ساری مخلوقات یا غیر اللہ سے نفی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا ثبات۔ ظاہر ہے کہ اللہ معبودِ وحی ہوتا یا بنایا جاتا ہے۔ پوجا اور پرستش اسی کی ہوتی اور کی جاتی ہے۔ جس کے ہاتھ میں ہم اپنا نفع و ضرر دیکھتے اور یقین کرتے ہیں۔ غرض لا الہ الا اللہ

پر ایمان و یقین کے معنی یہ ہیں۔ کہ ہم کو موت و زندگی، بیماری و تندرستی، ناداری و توکلی، ذلت و عزت وغیرہ کی ظاہری راہوں اور اسباب سے جو کچھ بھی نفع یا ضرر پہنچتا ہے۔ سب کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو جاننا اور ماننا، اور کسی فعل و اثر کا خالق غیر اللہ کو نہ سمجھنا ہمارا مسئلہ عقیدہ ہے۔ یہ جاننا اور ماننا قلبِ باطن کے فعل کے سوا اور کیا ہے۔ لیکن علوم و احکام ظاہر کے عالم و عامل کتنے ہیں جو نفع و ضرر یا فعل و اثر کا دن رات غیر اللہ کی طرف سے یقین و مشاہدہ نہیں کرتے ہوتے۔ کیا اس یقین و مشاہدہ کی تفسیل اور اس کو مفصل و نفاک کے ہر فعل و اثر میں اللہ تعالیٰ ہی کو بالذات فاعل و موثر مشاہدہ کرنے لگنا و جس کو حدیث میں عبادت و بندگی کے مقامِ احسان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور جس کا اصطلاح صوفیہ میں توحیدِ افعال سے موسوم کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندگی کا تعلق کو اس طرح قائم کرنا کہ ساری زندگی اور اس کے سارے افعال و اعمال میں اسی کے مشاہدہ و رویت، حضور و معیت کا علم و اذعان حاصل ہو گیا یہ عین دین اور کامل دین کے سوا کچھ اور ہے۔ بلکہ کیا یہ قلبی و باطنی علم و اذعان، یقین و ایمان سارے ظاہری عبادات و معاملات کی روح و جان نہیں، اور کیا اس روح و جان، یا ایمان عقیدہ کی صحت و حفاظت سارے اعمال و افعالِ جوارح سے بڑھ کر فرض و واجب نہیں۔

تصوف نام ہے فقہِ باطن کا علم باطن کی حقیقت
غرض تصوف یا جس کو خدا جاننے لوگوں نے کیا کیا دُور از کارِ مثال و مضل معنی پہنا رکھے ہیں صرف یہ ہے کہ وہ ظاہرِ جسم یا جوارح کے اعمال و احکام، اور دلوں و اہوائی اور صلاح و فساد کی فقہ کے بجائے نام ہے قلب و باطن کے اور دلوں و اہوائی اور اس کے صلاح و فساد کی فقہ کا جس کے احکام کتاب و سنت و دوزن میں اسی طرح منصوص

سَلَامَةُ تَالِ اللّٰهِ تَالِ افْتَعْدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ اَوْ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ

ہے حقیقت تصوف کے نام سے ایک مستقل رسالہ کی تمہید میں ارشاد ہے۔

”شریعت کے اندر جن اعمال کے کرنے اور جن کے نہ کرنے کا حکم ہے۔ وہ دو قسم کے ہیں۔ بعض کا تعلق ظاہر بدن یا ظاہری چیزوں سے ہے۔ جیسے کلمہ پڑھنا نماز روزہ حج زکوٰۃ ماں باپ کی خدمت، ان کو مامورات کہتے ہیں اور کلمات کفر کنا، شرک کے افعال کنا، زنا چوری سود خوری زنا وغیرہ ان کو منہا ہی کہتے ہیں۔ بعض اعمال ایسے ہیں۔ جن کا تعلق باطن سے ہے۔ جیسے ایمان و تصدیق و عقاید حقہ۔ صبر و شکر و توکل، رضا، قضا، تقویٰ و اخلاص، محبت خدا و رسول وغیرہ ان کو مامورات و فضائل کہتے ہیں اور عقائد باطلہ بے صبری ناشکری، ریا، تکبر، عجب وغیرہ منہا ہی اور ردائل ہیں۔ جن سے شریعت نے منع کیا ہے۔

جس طرح قرآن مجید میں اَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ موجود ہے۔ اسی طرح یا ایہا الذین امنوا اصبروا (اے ایمان دارو صبر کرو) اور واشکروا للہ (اللہ کا شکر بجا لاؤ) بھی موجود ہے اگر ایک مقام میں تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے۔ تو دوسرے مقام پر تکبر و عجب کی بھی برائی موجود ہے۔ اسی طرح احادیث کو دیکھو۔ جس طرح ان میں ایسا نماز، روزہ، بیع، دشمنان کج، دطلاق پاؤ گے۔ ابواب زیاد شمعہ و کبر وغیرہ بھی دیکھ گے۔

اس بات سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے۔ کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں۔ اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکم الہی ہیں۔ کیا اَقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ امر کا صیغہ ہی اور اصبروا اور واشکروا امر کا صیغہ نہیں کیا کہتے علیکم الصیام سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہے اور الذین امنوا اشد حباً للہ سے موت کا مامور بہ ہونا ثابت نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معدوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لیے ہیں۔ اور باطن کی صفائی مقصود

ہی جس طرح فقہ ظاہر کے۔ اور جس کی اہمیت و اقدیمیت، قرآن و حدیث ہی کے اشارات و تصریحات سے ثابت ہے۔ (کہ تال اللہ تعالیٰ یومہ لا ینفخ مائل ولا یغون الا من اتی اللہ بقلب سلیم) اور حدیث میں اسی کی شرح و تفسیر یوں فرمائی گئی ہے کہ ”خوب سمجھ لو کہ بدن کے اندر ایک نو تھڑا ہے اگر وہ سنورا اور بنا تو سارا بدن بن سنورا جاتا ہے اور اگر وہ بگڑا تو تمام بدن بگڑ جاتا ہے۔ اور خوب سمجھ لو کہ وہ قلب ہے۔“

(الا وان فی الجسد لمنصۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ) (مسلم) اس حدیث کا یہی مقصد ہے۔ کہ ظاہر جسم کے اعمال و افعال کا بناؤ بگاڑ تمام تر مادی قلب کے بناؤ بگاڑ پر موقوف ہے۔ اور تصوف یا فقہ باطن کا موضوع بحث اسی قلب کا بناؤ و سنوارا، اسی کی سلاقی و صحت کی حفاظت اور اسی کے بگاڑ یا فساد و بیماری کا علاج ہے تصوف و طریقت کی اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اس کا دین و شریعت کے مافی و منایر سوزنا تو الگ رہا بغیر صوفی ہونے مسلمان کب ہو سکتا ہے۔ باقی اگر کسی ”خٹک داغ“ کو صوفی و تصوف کے نام و اصطلاح یا اس کے علیحدہ و مستقل علم و فن ہونے سے بے پروا ہے تو پھر اس کو تفسیر و تفسیر و تجدید و مجدد، حدیث و محدث، فقہ و فقہاء، کلام و متکلم و غیرہ سب ہی جدا گانہ اپنی علوم و فنون اور ان کے عرفی و اصطلاحی ناموں سے بھڑکنا چاہئے۔ اور اگر یہ نام قرآن و حدیث کے الفاظ و اشعار سے ناخوش تو راقم

المحرف کے نزدیک صوفی ”کی اصل بھی صوف پرش کی بجائے اصحاب صفہ کیوں نہ ہو۔ اس پر بھی اگر نام ہی سے چڑھے تو علم تصوف کے بجائے اس کا نام علم احسان یا علم قرب رکھ لو۔ جیسا خود بہت سے اکابر صوفیہ نے رکھا بھی ہے۔ تصوف کی حقیقت کی یہ تجدید یا اس کی از سر نو تعلیم و تعلیم جیسی کچھ ضروری تھی اس کو حضرت مجدد حکیم الامت قدس سرہ العزیز نے مستقل و غیر مستقل رسائل و تصنیفات، مواعظ و ملفوظات میں کثرت جابجا، اجمال و تفصیل کے ساتھ مختلف عنوانات و تعبیرات سے سمجھایا اور واضح فرمایا

میدان عرفات میں عظیم الشان اجتماع

اس سال عرفات میں ۶۰۹۱۹۷ زائرین حج بیت اللہ جمع ہوئے۔ جو مختلف ملکوں سے تری بھری اور ہوائی رستوں سے آئے۔ ذیل میں اس کی تفصیل درج ہے۔

۲۰	۲۰۰۰۰	۲۰۹۵۶	اسٹرموی عربیہ
۲۱	۲۲۸۹۱	۵۲۱۰	متحدہ عرب جمہوریہ
۲۲	۳۷۲۴	۱۱۸۳۱	(مصر)
۲۳	۱۷۲۴۷	۲۱۵	شام
۲۴	۹۰۰۰۲	۲۱۹	عرب یونین
۲۵	۵۸۹۷	۱۲۶	(عراق)
۲۶	۳۱۰۵	۶۳۳	اردن
۲۷	۷۲۹۹	۲۷	فلسطین
۲۸	۳۳۱	۶۳	لبنان
۲۹	۱۰۳۲۱	۷	ایران
۳۰	۲۵۵۲۴	۳۸۱	افغانستان
۳۱	۱۱	۱۲۰۷۰	ترکی
۳۲	۱۰۱	۶	بھارت
۳۳	۷۲۳	۲	تیونس
۳۴	۳۳۴	۲	الجزائر
۳۵	۷۲۳	۸۷	مراکش
۳۶	۳۲۶۶	۱	لیبیا
۳۷	۳۲۲۵	۱	یمن
۳۸	۱۸۱۹۷	۲۰	پاکستان
۳۹	۱۷۰۴۰	۳۲۹۳۱	ہندوستان
۴۰	۶۰۹۲۱	۵۱۷۹	انڈونیشیا
۴۱	۳۱۱۳	۱۵۰۸۶	ملاویا
۴۲	۲۰۰۸۸	۶۰۹۱۹۷	مقتدی لیبیہ

و موجب نجات اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔
 قَدْ اَفْلَحَ مَنْ لَمْ يَكْأَحْأَدٌ وَ قَدْ خَابَ مَنْ ذَلَّ سُبُحًا رُبَّ شَكْ
 جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو
 میل کیا ناکامیاب رہا۔ (یومہ لا یفزع مَالٌ وَلَا بَنُونَ لَا
 مَنْ اَتَى اللہَ بِقَلْبٍ سَلِیمٍ جس دن مال و اولاد کام نہ آئیں
 گئے۔ مگر جو شخص اللہ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا ہو وہ
 پہلی آیت میں تذکرہ باطن کو موجب فلاح اور دوسری میں سلامتی
 قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع بتلایا گیا ہے۔

ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر
 ہے قلب ہی کا فعل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں
 سب ایمان ہی کی شکمیں کے لیے ہیں پس معلوم ہوا کہ اصل مقصد
 دل کی اصلاح ہے۔ دل بمنزلہ بادشاہ کے ہے۔ اور اعضاء
 کے لشکر یا غلام ہیں۔ اگر بادشاہ درست ہو جائے تو تابع خود
 بخود اس کی مطابقت کرنے لگیں۔ اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُصْغَةً
 اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ
 کلہ الادھی القلب کے معنی یہ ہیں۔ کہ بدن کے اندر
 جو قلب ہے اگر یہ سب بنا۔ یہ بگڑا تو سب بگڑا۔ اور یہ اندر
 رات دن آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کہ جس کا دھیان دل میں سما
 جاتا ہے۔ سارے اعضاء اس کی دھن میں لگ جاتے ہیں۔
 آنکھ اس چیز کو دیکھنے، کان اس کو سننے، ہاتھ اس کو پکڑنے
 اور پاؤں اس کی جانب چلنے کو چاہتا ہے۔ خواہ وہ شے بڑی
 ہو یا بھلی۔ مگر دل کا خیال ان اعضاء کو اس کے کرنے پر مجبور
 کر دیتا ہے۔ دنیا داروں کو دیکھو کہ کس طرح دنیا کے کاموں میں
 سر سے پاؤں تک مشغول رہتے ہیں۔ کہ ان کے کان میں اذان کی
 آواز تک نہیں آتی۔ ایسا ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد اور دھن
 میں ہیں۔ ہر طرف سے ان کو اللہ ہی کا خیال آتا ہے۔

بس کہ درج ذیل نگار و چشم بیارم توئی
 ہر کہ پیدامی شود از دور بیارم توئی
 (بانی آئندہ)

کتاب بہترین فقیہ ہے!

- پیامِ حق حضرت مولانا محمد راجد صاحب گدوی کی آخری حرکتہ الہامیہ تقریر مذہبِ شیعہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے قیمت ۸/-
- تفسیر آیت مباہلہ حضرت مولانا عبد شکور صاحب لکھنؤ قل تعالوا ندع ابناء وانا وکم کی صحیح تفسیر اور شیعوں کے مناظرہ کا ازالہ ۲۱/-
- تفسیر آیت میزان ارض مصنفہ ایضاً آیت ولقد کتبنا فی الزبور انخ خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت ۲۱/-
- تفسیر آیت اولی الامر منکم مصنفہ ایضاً اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم کی تفسیر اور شیعوں کے مناظرہ کا جواب ۲۱/-
- تفسیر آیت معیت مصنفہ ایضاً تفسیر آیت محمد رسول اللہ والذین معہ الخ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا خلیفہ بنانا ثابت کیا گیا ہے ۲۱/-
- تفسیر آیت تمکین مصنفہ ایضاً تفسیر آیت الذین مکننا ہم فی الارض جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاجرین کی بارگاہ الہی میں بڑی عزت ہے ان میں سے ہر ایک امامت و خلافت کی قابلیت رکھتا تھا ان کی خلافت قرآن کی موعودہ خلافت ہے ان کے عہد خلافت کے تمام کام خدا کے پسندیدہ اور مقبول تھے ۲۱/-
- تفسیر آیت رضوان مصنفہ ایضاً آیت لقد رضی اللہ عن المومنین کی تفسیر جس سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضرات خلفائے ثلاثہ اور تمام صحابہ جدیدہ جنتی ہیں اور خدا نے ان سے اپنی رضا مندی کا اعلان کر دیا ۲۱/-
- تفسیر آیت مودۃ القرابی مصنفہ ایضاً تفسیر آیت قل لا اسئلكم علیہ اجر ا کی صحیح تفسیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ شیعہ جو اس آیت کے حوالہ سے محبت اہل بیت کو اجر رسالت کہتے ہیں یہ قرآن کی مسنوی تحریف اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر سخت حملہ ہے ۱۰/-
- ابوالاکبمہ کی تعلیم مصنفہ ایضاً جس میں شیعہ کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ کوئی شخص محب حضرت علی اور چروکار اہل بیت نہیں ہو سکتا جب تک کہ مذہب حق اہل سنت والجماعت اختیار نہ کرے ۸/-
- کشف التلبیس حصہ دوم جس میں فضائل صحابہ اور دیگر مسائل پر مکمل بحث کی گئی ہے ۸/-
- تحقیق فداک مصنفہ مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری انبائی نہایت بہترین قابل دید کتاب ہے ۳۱/-
- تحفہ قادیان ۸/-

مکتبہ خزانہ انصار و منبر شمس الاسلام ڈاک خانہ شمس الاسلام بھیرہ